کرنل لارنس

مصنفہ

ایڈورڈ رابنسن

مترجمہ

قاضی مشیرالدین بی اے

نفیس اکیڈمی

(قیمت تین روپیے چار آنہ سکہ)

عابد روڈ حیدرآباد دکن

(قیمت دو روپیے بارہ آنے کلدار)

حیدرآباد بک ڈپو حیدرآباد دکن

تعداد طبع ← ایک ہزار

جون ۱۹۴۵ء

پروپرائٹر
چودھری محمد اقبال سلیم گاہندری

باہتمام
چودھری منظور الحق

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد
(دکن)

تمہید

اس کتاب میں بیان کئے ہوئے کئی واقعات خود مصنف کے آنکھوں دیکھے ہیں۔ میں نے اِس کے پروف پڑھے لیکن بیان واقعہ کی کوئی غلطی مجھے نظر نہ آئی۔ برخلاف اس کے یہ تصویر اِتنی صحیح ہے جس کی توقع اِس مقصد کی کسی کتاب سے کی جاسکتی تھی۔

اے۔ ڈبلو۔ لارنس

جولائی ۱۹۳۵ء

کرنل لارنس

کرنل لارنس کا نام پچھلے پچیس تیس سال سے اتنا مشہور رہے کہ ہر مشہور آدمی کی طرح لارنس کے ساتھ بھی بیسیوں ہی افسانوی کارنامے منسوب ہو چکے ہیں۔ اس ایک آدمی نے تن تنہا اپنی قوم کے لئے ایسے کار نمایاں کئے ہیں۔ کہ پوری منظم فوج سے بھی انجام نہ پاتے۔ اسے مسلمانوں کی بدنصیبی کہئے یا انگریز کی خوش نصیبی کہ ۱۹۱۴ء و ۱۹۱۵ء میں سارے عرب ممالک ترکی حکومت کی طرف سے بھرے بیٹھے تھے۔ اس وقت کرنل لارنس جیسے ذہین اور فتنہ پرور آدمی نے ان کے دلوں کی آگ کو ہوا دی۔ پھر کیا تھا؟ یہ آگ بھڑکی اور ایسی بھڑکی کہ ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یقیناً یہ کارنامہ کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا۔ کرنل لارنس نے عربی ممالک میں انگریزی حکمرانی کو ہزاروں سیاست کاروں اور لاکھوں افواج کی متعدد قوتوں سے کہیں زیادہ قریب تر کر دیا۔

شہرت عام کا خاصہ ہے۔ کہ اس میں بڑی تیزی کے ساتھ افسانویت پیدا ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کرنل لارنس کے ساتھ اس کی ساحرانہ قوتوں سے متعلق بیسیوں افسانے پیدا ہو گئے اور اس کے حقیقی اعمال کو ان افسانوں سے ممتاز کرنا

مشکل ہوگیا لارنس کے کارنامے الف لیلہ کی کہانیاں بن گئے۔

یہ کتاب اسی مشہور و معروف شخصیت کے حالات اور اس کے اعمال سے متعلق ہے۔ اس میں اس مشہور انسان کے صحیح ترین خدوخال اور حقیقی حرکات وسکنات دکھائی دیتی ہیں۔ اس میں افسانے اور کہانیاں نہیں۔ واقعات وحرکات ہیں — ہم اس سے دو قسم کے سبق حاصل کرسکتے ہیں۔

(۱) کسی مقصد کی تکمیل کے لئے ایک باہمت شخص کس طرح گوناگوں تکالیف اور طرح طرح کی مصیبتوں پر قابو حاصل کرتا ہے۔ اور باطل میں کسی حق سے کم حرکت نہیں پائی جاتی۔ فرق محض مقصد ونصب العین کا تو ہے ورنہ کامیابی تک پہنچنے کے لئے بہرحال وہی استقلال، وہی جفاکشی اور وہی لگن ہرجگہ درکار ہوتی ہے۔

(۲) جو قوم غیروں کی امداد کے ذریعے ترقی اور اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ بد سے بدتر ہو سکتی ہے۔ لیکن بہتر نہیں بن سکتی۔

غرض کہ یہ کتاب سوانح بھی ہے۔ اور عبرت وبصیرت کا سامان بھی پڑھیئے اور سوچیئے۔

(چودھری) محمد اقبال سلیم گاہندری

(۱)

آکسفورڈ کے کسی مدرسہ کا کھیل کا میدان ہے۔ لڑکے اپنا اپنا کھیل اپنے طور پر کھیل رہے ہیں۔ اِن چیختے چلاتے لڑکوں کے ہجوم سے الگ تھلگ کسی کونے میں ایک خاموش دُبلا پتلا لڑکا دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا ہے۔ اس کی ناک کتاب میں چھپ گئی ہے۔

کسی کھلاڑی کی چیخ کو سن کر وقتاً فوقتاً وہ اپنا سر اُٹھا لیتا ہے۔

ایک نے چلا کر کہا۔ آؤ۔ اور ہم میں مل جاؤ۔

دوسرے نے کہا:" ہاہا۔ یہ پرانا کتاب کا کیڑا ہے۔

دوسرے کھلاڑی اِس حقارت کے ساتھ جو انھیں گیند نہ کھیلنے والے ہر لڑکے سے ہوتی ہے اس کو تن تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔

لارنس، جس کا پورا نام ٹامس ایڈورڈ لارنس تھا دَر اصل ڈرپوک نہ تھا۔ صرف کھیل اسے ناپسند تھے۔ وہ گرتا پڑتا کسی ندی نالے کے کنارے کنارے اس مقام تک پہنچ جاتا جہاں اس کو اس کے منبع کا سراغ ملتا۔ وہ ان خاک کے تودوں اور پرانے کھنڈروں کی دیکھ بھال میں گھنٹوں مصروف رہتا جہاں قدیم برطانوی باشندے اور رومی فاتح پڑاؤ ڈالا کرتے تھے۔ ان آثار کی تحقیق اس کو قدیم تاریخ کا پتہ دیتی وہ معلوم کرنے کی کوشش

کرتا کہ یہ کھنڈر کیا ہوگا۔ اور اپنے ذہن میں اس کا تصور جماتا کہ وہ اِنسان کیسا ہوگا جس نے آخری مرتبہ اس کو اِستعمال کیا ہوگا۔

کبھی وہ یہ کرتا کہ کندھے پر کیمرا لٹکائے خاموشی سے سائیکل پر روانہ ہوجاتا۔ اور پرانے قلعوں، کلیساؤں اور محلات کی تصویریں مختلف زاویوں سے لیتا۔ اکثر اوقات اس کا گزر ان کھنڈروں کی طرف ہوتا جن کو لوگ معمولی پتھروں کا ڈھیر سمجھتے۔ لیکن یہ نوعمر لڑکا تراش خراش اور علامتوں کی مدد سے سمجھ جاتا کہ ضرور یہ کوئی عمارت رہی ہے جو سینکڑوں سال پہلے تعمیر ہوئی ہوگی۔ اور جو ملک کی تاریخ کے کسی خاص واقعہ کا پتہ دیتی ہے۔ وہ واقعات کا سراغ لگانا چاہتا یعنی وہ کہاں سے شروع ہوئے، کیسے شروع ہوئے اور کیونکر شروع ہوئے۔ وہ لڑکوں کی ہشت مشت میں بھی کبھی کبھی شریک ہوجاتا۔ اس دھاچوکڑی کی مثال ایسی ہوتی گویا کوئی ناہموار مکان یکایک زمین سے ابھر آیا ہو اور معاً کسی ناگہانی حادثہ کے سبب مسمار ہوگیا ہو۔ ایک دفعہ یہ کھیل اسے بہت مہنگا پڑا جس نے اس کا پاؤں توڑ دیا۔ اس حادثہ کا اس پر عجیب اثر ہوا اس کے دُوسرے بھائی بلند قامت تھے اور یقین تھا کہ جسمانی ساخت میں یہ بھی ان کا ہمسر ہوگا۔ لیکن پانو کے ٹوٹ جانے سے اسی کی نشو و نما رُک گئی۔ اور وہ پانچ فٹ چار اِنچ سے نہ بڑھ سکا۔

قدیم تاریخ کی تحقیق کے شوق میں گاہے گاہے وہ اجنبی راستوں پر بھی چل پڑتا تھا۔ ایک دن آکسفورڈ کا ایک قدیم نقشہ اس کے ہاتھ لگا جس سے کسی زمین دوز نہر کے وجود کا پتہ ملتا تھا۔ اس سے پہلے کسی کو اس کا خیال بھی نہ تھا کہ گیس کے کارخانے کے قریب والی نہر دراصل وہی ہے جو Fally Bridge کے قریب بہتی ہے۔ اس نقشہ نے ثابت کر دیا

کہ یہ وہی ایک ہی نہر ہے۔ اِس پوشیدہ نہر نے اس کو ایک مہم کی راہ سجھائی۔ وہ ایک دن عین گیس کے کارخانے کے پیچھے سے چھوٹی کشتی میں سوار ہو کر اس ارادے سے روانہ ہو گیا کہ نہر کے راستہ پر چلتا ہوا۔ ہو سکے تو Fally Bridge کے سرے تک پہنچ جائے گا۔ جب اس نے کشتی نہر میں ڈالی ہے تو اس کے مدرسہ کے دو ایک ساتھی اس پر ہنسنے لگے۔ لیکن جب وہ کشتی کھیتا ہوا، زمین میں گھس کر نظر سے غائب ہو گیا تو انھیں الجھن ہونے لگی۔

کھلی فضا کے ختم ہوتے ہی، لارنس نے خود کو سخت اندھیرے میں گھرا ہوا پایا۔ ہوشیاری سے راستہ کا خیال رکھتے ہوئے، وہ آہستہ آہستہ کشتی کھیتا رہا۔ ایک گز کے فاصلہ پر بھی اسے کچھ نظر نہ آتا تھا لیکن سر کے اوپر آمد و رفت کی مدھم آوازیں سنائی پڑتی تھیں۔ وہ ایک گلی کے نیچے تھا۔

آدھ گھنٹہ تک اس نے اپنا پراسرار سفر جاری رکھا۔ اِس سنسان جگہ میں وہ صرف چپو چلنے کی آواز سن سکتا تھا۔ اور جب وہ ایک نامعلوم کنارے پر پہنچ چکا تو لکڑی پھیلنے کی مدھم آوازیں اس کو سنائی دینے لگیں۔ دو تین دفعہ اس نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز بھی سنی۔ اور جب وہ آکسفورڈ ہی کی ایک دوسری گلی کے نیچے سے گزرا تو پہیوں کی گھڑگھڑاہٹ اس کو سنائی پڑتی تھی۔ حتیٰ کہ بالآخر سامنے اس کو مدھم سی روشنی نظر آئی۔ اب وہ باہر آ رہا تھا اس کی ننھی منی کشتی Fally Bridge کے قریب سالڑ کی کھاڑی میں تیر رہی تھی۔ اسکول کے چند ساتھی، کچھ سہمے ہوئے سے، اس کے پرجوش استقبال کے لئے وہاں کھڑے تھے۔ اس کو کشتی کھیتے نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے جنھوں نے دیکھ لیا تھا وہ گلیوں میں بے تحاشا دوڑے پھر رہے تھے اور ایک دوسرے کو چلا چلا کر کہتے جاتے تھے۔

"لارنس سڑک کے نیچے والی پرانی نہر میں اپنی کشتی لے گھس پڑا"۔ پرانے کرم کتابی میں اس خطرناک سفر کی جرأت پاکر وہ سٹپٹا گئے تھے۔ اور جب وہ تاریکی سے کشتی کھیتا ہوا برآمد ہوا تو مبارکباد دینے کے لئے ان میں مسابقت ہونے لگی۔

"اچھے لارنس"

"خدا کی قسم! اس کے لئے تمہیں بڑی مشقت برداشت کرنی پڑی ہوگی۔ آخر یہ مہم اتنی بے لطف تو نہ رہی" اسی طرح کی آوازیں فضا میں بلند ہونے لگیں۔ اور اب وہ اپنے انھیں یار دوستوں کی مدح وستایش کا مرکز بن گیا جو کچھ ہی پہلے کھیلوں میں شریک نہ ہونے کے باعث اس پر آوازے کستے تھے۔

ان میں سے جو زیادہ متجسس طبیعت رکھتے تھے اس سے مزید تفصیل سننے کے مشتاق تھے۔

ایک نے پوچھا۔ یہ تم نے کیا کیا۔ کیا اس سے اپنی جرأت بتانا مقصود تھا۔

کمسن لارنس نے سر ہلاکر دبی زبان میں جواب دیا۔ جی نہیں۔ میں تو صرف معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر یہ نہر نکلتی کہاں ہے۔

سال اور مہینے گزرتے گئے۔ لیکن اس کو کھیلوں میں شریک نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ اور صاف صاف کہدیا کہ مدرسہ مجھکو پسند نہیں۔ کتابیں اور اس قبیل کی دوسری چیزیں البتہ اس کو پسند تھیں۔ لیکن مدرسے بحیثیت مدرسہ اس کو بے لطفی ہی رہی۔

تعطیلوں میں وہ برطانیہ اور فرانس کے دیہاتی علاقوں میں گھومتا پھرتا۔

جہاں اس کو سیکڑوں سال قبل کے باشندوں کے متعلق "کیوں" اور "کس لئے" کی تحقیق کا شوق لے جاتا!

وہ نہ زیادہ دراز قامت تھا اور نہ بھاری بھرکم۔ اس کے قد کی درازی صرف ۵ فٹ ۵ تک پہنچ پائی تھی۔ اور وزن میں وہ سات اسٹون سے زیادہ نہ تھا۔ پھر بھی وہ تھوڑا بہت مشہور ہو چکا تھا۔

جب وہ جنیرز کالج میں پڑھتا تھا تو ان تمام طالب علموں کی توجہ کا مرکز تھا جو دن رات مطالعہ کتب بینی اور مضمون نویسی میں مصروف رہتے تھے۔ وہ ان چیزوں میں سب سے بہتر و برتر تھا۔ وہ سائیکل رانوں کی جماعت اور Oxford Officer's Trainins Corps کا سرگرم ممبر تھا۔

جب کبھی گفتگو کرتا تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اس کے مضامین خاص خصوصیت رکھتے تھے جن سے پتہ چلتا کہ وہ ایک غیر معمولی ہوشیار طالب علم اور ایسا نوجوان ہے جو ایک نہ ایک دن نام پیدا کرے گا۔

اس کا خاص مضمون اثریات تھا۔ اس کے مطالعہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ بالآخر اس نے شام اور فلسطین میں مسیحی مجاہدان کے تعمیر کیے ہوئے قلعوں پر ایک مضمون ترتیب دے ڈالا۔ ان قلعوں کے متعلق اس نے کتابیں پڑھی تھیں۔ اس موضوع کے مسلم الثبوت اساتذہ کا مطالعہ بھی کر چکا تھا لیکن یہ بھی ناکافی تھا۔ وہ بذاتِ خود دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ ملک کیسا ہے۔ وہاں اب جو لوگ بستے ہیں وہ کیسے ہیں۔ گزری ہوئی نسلیں ان لوگوں کی زندگی اور خصلتوں پر کیا نقوش چھوڑ گئی ہیں۔

۱۹۰۹ء میں جب کہ اس کی عمر بیس سال تھی وہ شمالی شام کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہ اسی پر چلنا چاہتا تھا جس پر سے کبھی مسیحی مجاہد گزرے تھے۔

اِنگلستان سے نکلتے وقت اس نے بہت قلیل رقم اپنے ساتھ رکھی تھی یعنی کم وبیش ۲۰۰ پونڈ۔ جوں ہی وہ بیروت پر جہاز سے اترا شام اور فلسطین میں اپنے خود عائد کردہ سفر پہ پا پیادہ چل پڑا۔ اپنی غذا کے لئے اس نے اہل ملک کی سیدھی سادھی مہمان نوازی کو کافی سمجھا اور بالآخر جب وہ ساحل پر واپس آیا اور وہاں سے اِنگلستان پہنچا تو رقم کا بڑا حصہ اس کے پاس موجود تھا۔

علم کی پیاس اسے عام راستوں سے دور دور بھٹکا دیتی تھی۔ اِس سال موسم بہار میں چار مہینے تک وہ اسی سرزمین پر گھومتا پھرا۔ وہ فلسطین سے نکل کر قدیم اڈیسہ تک پہنچ گیا جس کو آج کل عرفہ بھی کہتے ہیں۔

وہ تفصیل سے اس ملک کا معائنہ کر چکا جس کو مسیحی مجاہدوں نے لازوال شہرت بخشی ہے۔ مجاہدوں کی یہ فوج فرماں رواؤں، خانہ بدوشوں سپاہیوں اور دیہاتیوں کی مختلف العناصر جماعتوں پر مشتمل تھی جو اپنے اپنے ملک سے نکل کر ایشیاء کی پراسرار اور بیگانہ سرزمین میں گھس آئے تھے۔

دنیائے مسیحیت اور مسلمانوں میں یہ لڑائیاں مسلسل تین سو سال تک جاری رہیں۔ مسیحی مجاہدوں نے قلعے تعمیر کئے لیکن وہ ہتیا لئے گئے۔ گرجے بنائے لیکن ان کو تباہ کیا گیا اور اس جگہ مسجدیں کھڑی کی گئیں۔ شام اور فلسطین کے ان شہروں اور قلعوں کے آگے عرب اور مسیحی مجاہد، مصر کے سلاطین، مغل شہنشاہ اور شاہان فارس، سبھی اپنے اپنے وقت پر گزر گئے۔ اور جب نوجوان لارنس نے تاریخ کے مطالعہ کی خاطر اتنی زیادہ روندی ہوئی زمین کے پتھر اکھیڑنے شروع کئے تو گویا وہ خود اپنی نام آوری کا طویل سفر شروع کر چکا تھا۔

لارنس جس وقت شام کا دورہ کر رہا تھا یہ ملک تقریباً پانسو سال سے ترکوں کے زیر تسلط تھا۔ جہاں کبھی مسیحی مجاہدوں کی صلیب فخر سے فضا میں لہراتی تھی وہاں آج ہلال کی حکمرانی تھی۔ شاہراہوں کو چھوڑ کر لارنس پرانے زمانے کے زائرین کے بھولے بسرے "او ٹرنگ" راستوں پر ہولیا۔

Sahyoun سیہون کے قلعہ پر چڑھ کر وہ چٹان کی چوٹی تک جا پہنچا Antioch انٹی اوک میں اس نے سنٹ پال کے زمانے کے ویرانے دیکھے کہیں کہیں اس کو اس زبردست دیوار کے محل وقوع کا پتہ لگا جو اس زمانہ میں شہر کو احاطہ کئے ہوئے تھی۔ اور جس پر چار گھوڑے پہلو بہ پہلو دوڑائے جاسکتے تھے۔ برچھیوں کی لڑائی اسی انٹی اوک کے باہر لڑی گئی تھی۔ سرفروش مسیحیوں نے جب دیکھا کہ شکست کھانا ان کے لئے موت کا پیام ہے۔ تو انھوں نے سواروں کی ایک فوج بنائی جو گھوڑوں سے خالی تھی۔ نیزے بازوں کی ایک فوج تھی جن کے پاس نیزے نہ تھے۔ تیغ زن ایسے تھے جن کے پاس تلواریں ہی نہ تھیں۔ عورتیں تک مسلح ہو کر میدان میں آئیں سبھوں نے مسیح کی عزت کے لئے جہاد کیا۔ غیر مسلح مسیحی مجاہد اپنے دشمنوں سے ہتھیار چھینتے جاتے اور انھیں سے ان کا قلع قمع کر دیتے تھے۔ قریب المرگ مسیحی اپنی تلواریں اور برچھیاں پیدل لڑنے والوں کو دیتے جاتے تھے۔ مسیحیوں کا محاذ جنگ مضبوط رہا۔ اور آخر کار ایک زبردست فتح نصیب ہوئی۔

سوال ہو سکتا ہے کہ زمانۂ حال کا نوجوان مجاہد ان عظیم الشان ویرانوں کو کس حد تک از سر نو تعمیر کر سکتا تھا؟ اس نے رچرڈ شیر دل کی لڑائیاں پھر سے لڑی ہیں۔ اس نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے قلعوں کے وہ کھنڈ

دیکھے جو صحرا کی ریت میں دھنس گئے تھے اور جن کا نام ہی نام باقی تھا۔ تہذیب اور شائستگی کے طور طریق کو بھول کر وہ بدوؤں میں گھل مل گیا۔ اس نے ان کا "نمک کھایا" (کوئی بدوی کسی ایسے شخص کو ہرگز نقصان نہیں پہنچاتا جو اس کا نمک کھا چکا ہو۔ یعنی اس کی مہمان نوازی کا حصہ دار بن چکا ہو۔)

کوئی نووارد اگر صحرا میں تن تنہا سفر کرے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ نہ صرف اس کی املاک خطرہ میں ہے بلکہ خود اس کی جان جوکھم میں ہے۔ لیکن نوجوان لارنس نے ان جوکھوں میں پڑنا قبول کیا۔ وہ ایک بے ترتیب جھلسے ہوئے اور سخت گیر ملک کا چکر لگاتا اوڈیسہ کے قدیم محل وقوع تک جا پہنچا۔

اس کے سفر کا آخری حصہ دریائے فرات کے پیچ و خم کے ساتھ ساتھ طے ہوا۔ اس سفر میں اسے پتہ لگا کہ اوڈیسہ کے قدیم گرجے مسجدوں میں تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ مسیحی مجاہدوں کے قلعے اور میناروں کے توں باقی ہیں جن میں عرب اپنے کتوں بکریوں اور بچوں سمیت رہتے بستے ہیں بڑے بڑے کوٹ معہ اپنی چوبیواریوں کے جوں کے توں باقی ہیں جن میں اونٹ اور بھیڑیں بھر دی گئی ہیں۔

بہت کم لوگ ہوں گے جو ان کھنڈروں کو جانتے ہوں۔ جانتے بھی ہوں تو اُن کے لئے ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔ چوروں نے ان کو اپنا مامن بنا لیا تھا۔ عرب کے خانہ بدوش یہاں شب گزاری کرتے اور آگے نکل جاتے ان مقامات کو لارنس آزادانہ وار دیکھتا پھرتا۔ چٹانوں کے کھوروں میں اس نے تاک جھانک جو شروع کی ہے تو بڑی بڑی چھپکلیاں تک چونک پڑیں دھوپ کھانے کے لئے باہر نکل آتی تھیں۔ اور اس عجیب و غریب مخلوق کو اپنے کھوؤں میں سر ڈالتا دیکھکر روپوش ہو جاتی تھیں۔ ممکن ہے ان بھولے

بسرے ملکوں اور اس سے زیادہ ان ملکوں کی بھولی بسری فوجوں اور قلعوں کی تحقیق کا محرک خالص علم کی تلاش کے سوا کچھ اور رہا ہو۔ لارنس کے خاندان کو سر والٹر ریلے سے بھی تعلق تھا۔ اور اس خاندان کی آیندہ نسلوں کو سر والٹر کی دلیری اور اولوالعزمی ورثہ میں ملی تھی۔ محرک خواہ کچھ ہو وہ اس ملک کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

کیا وہ کسی غیبی مشیت کو پورا کر رہا تھا۔ یا اُسے قدیم مسیحی مجاہدوں کی طرح آسمان میں کوئی نشانی نظر آئی تھی۔؟

(۲)

ان مشاہدات سے اثر پذیر ہو کر لارنس لوٹ آیا۔ اور ایسا لاجواب
مضمون لکھا کہ چار سال کے لئے اس کو وظیفہ عطا کیا گیا۔ اکیس سال کے طالبعلم
کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس نے یہ چار سال مصر، فلسطین اور شام
کی سیاحت میں بسر کئے۔ ان ملکوں میں صحرا کی ریت کے تودوں اور چٹانوں
میں دبے ہوئے قدیم تمدن کی کھدائی شروع ہو چکی تھی۔ وہ ماہرین فن
جو اس کام میں زیادہ تر عمر رسیدہ اور تجربہ کار لوگوں پر بھروسہ کرتے تھے،
لارنس کے خود اپنے طور پر کئے ہوئے کام کو نظر انداز نہ کر سکے۔ اور اس کی
اعانت و امداد کا بڑی خوشی سے خیر مقدم کیا۔ صحرا کو اس کی دوبارہ مراجعت
Carchemish کے سفر کے لئے قابل خصوصیت ہے،
جہاں پر برٹش میوزیم کی طرف سے منظم طریقہ پر کھدائیوں کا سلسلہ شروع
کیا گیا تھا۔ اس توقع پر کہ شاید قدیم دار الخلافہ ہیٹی کے بعض عجائبات
ہاتھ لگ جائیں۔ درحقیقت یہ ریت کا بہت بڑا ٹیلہ تھا جو کئی صدیوں میں
جا کر اتنا اونچا ہو گیا تھا کہ عمارتوں کے نشانات تک نظروں سے چھپ گئے
تھے۔ چالیس سال بیشتر ایک بھولے بھٹکے مسافر نے ان عجیب و غریب

چٹانوں اور دیواروں کی نشان دہی کی تھی جو کسی اِنہدام کے سبب نمایاں ہو گئیں تھیں۔ اس وقت میوزیم کے ڈائرکٹروں نے اس حد تک کھودنے کا ارادہ کر لیا تھا جب تک کہ ریت کا پہاڑ اپنے سارے راز منکشف نہ کر دے۔

اِس کام میں نوجوان لارنس کی اِعانت کا قبول کیا جانا اس کے لئے باعث فخر تھا۔ ازمنہ قدیم کے آثار کی تحقیق میں خود اس کے لئے دلچسپی تھی۔ اس نے تن دہی اور ذہانت سے بڑے بوڑھوں کو تک اپنا گرویدہ بنا لیا۔

۱۹۱۰ء-۱۱ء میں سرما کا موسم تھا۔ اس مقام پر چند ہی لوگ جنھیں تاریخ قدیم سے شغف تھا کھنڈروں کی جانچ پرتال کا کام جاری رکھے ہوئے تھے۔ جو نووارد بھی وہاں جا پہنچتے اپنے دوست احباب کو لکھتے کہ ہم نے ایک نوجوان کو دیکھا جس کا نام لارنس ہے۔ ایک دوسرے نوجوان طالب علم نے جو لارنس کے ساتھ کام کرتا تھا اپنے تجربات کا کچھ حال بتایا ہے۔ وہ خود کو اور اپنے دوست کو "انوکھے کار آموز" کے نام سے یاد کرتا ہے۔

کچھ ہی عرصہ بعد عرب اور کُرد حتیٰ کہ ترک بھی، جو یہیں یا اُنھیں کھنڈروں کے آس پاس کام میں لگے ہوئے تھے اس خاموش خرد سال انگریز کی طرف ملتفت ہونے لگے۔ وہ اس کا ذکر بڑی حیرت سے کرتے۔ وہ ان کے طور طریقوں سے بیگانہ نہ تھا۔ اور ان کی زبانوں میں ــــ رک رک کر مگر صحیح طور پر ــ بات چیت کر سکتا تھا۔

دن کا کام جب ختم ہو جاتا تو وہ دیہات میں جا پہنچتا۔ دیہاتیوں کی طرح زمین پر پالتی مار کر بیٹھتا۔ ان سے باتیں کرتا۔ دیہاتی زندگی کی گپ شپ اور ہنسی مذاق میں برابر کا شریک رہتا۔ ان لوگوں نے یہ معلوم کر لیا کہ وہ

خوف کھانا جانتا ہی نہیں۔ انھیں حیرت تھی کہ اس کا چھوٹا سا جسم کتنا طاقتور ہے
اپنے سادے سیدھے اور بے تکلف انداز میں وہ اس کو چاہنے بھی لگے تھے۔ کیونکہ
ہر قسم کی بے رحمی اور سفاکی سے قطعاً نا آشنا تھا۔

وہ عموماً متین صورت نظر آتا۔ لیکن اس کی ہنسی یا مسکراہٹ ایسا خوشگوار
واقعہ ہوئی کہ دوسروں کو لامحالہ اس میں شریک ہونا پڑتا۔ قدیم زمانوں کی ہڈیاں
کھودنے پر بھی اِس میں حسنِ ظرافت باقی تھی۔

انھیں کھنڈروں کے قریب جرمن انجینئر بھی کام کرتے تھے۔ وہ
بغداد کی ریلوے لائن پر کام کر رہے تھے اور اس وقت ندی پر پُل کی تعمیر میں
مصروف تھے۔ بعض ملکی باشندوں کے ساتھ جرمنوں کا برتاؤ لارنس کو ناپسند تھا
وہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بے محابا کر دیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض جرمن کئی طریقوں پر
اس سے نفرت کا اظہار کرنے لگے۔ لیکن لارنس نے ان کے جذبات نفرت کا کوئی
اثر نہیں لیا۔ اور کھنڈروں سے نکلے ہوئے پتھروں اور ملبوں کو سڑک کی تعمیر
کے لیے لے جانے کی انھیں اجازت دیدی۔

ایک دن وہ اور اس کا اثری Archæologist
دوست وولی اپنے چھوٹے سے گھر میں بیٹھے تھے کہ ان کا دیسی ملازم گھبرایا ہوا
آیا اور کہنے لگا۔

سرکار! پولس آپ کو پکڑنا چاہتی ہے۔

ترکی پولس کا یحیم شحیم سپاہی بڑے طمطراق اور پورے اقتدار کے
ساتھ اندر آ پہنچا۔ اور لارنس کے قریب پہنچ کر کہنے لگا۔

قیمتی پتھروں کے چرانے کے جرم میں تم حراست میں ہو۔ تم نے وہ پتھر
جرمنوں کو بیس ترکی پونڈ میں بیچے ہیں۔

لارنس ہنسنے لگا۔ اور پوچھا۔ چرائے ہیں؟ کیا فضول بکتے ہو۔ یہ پتھر تو صرف ملبے تھے جو میں نے جرمنوں کو سڑک کی تعمیر کے لئے دے ڈالے۔

پولیس کے سپاہی نے کہا۔ اس سے تمہارے جرم کی نوعیت نہیں بدلتی تم کو میرے ساتھ آنا پڑے گا۔ لارنس کو اس نے گرفتار کر لیا۔ وولی راستہ بھر احتجاج کرتا ان دونوں کے ساتھ ہو لیا۔ لارنس اب بھی ہنس رہا تھا۔ کیونکہ یہ بات اسے مضحکہ خیز معلوم ہوئی۔ عدالت پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ محض مذاق نہ تھا۔ کمرۂ عدالت لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور ایک سُرخ رو غصیلا مجسٹریٹ اسی مقدمہ پر کارروائی کرنے کا منتظر تھا۔

فردِ جرم پھر سنائی گئی۔ اور جب اس کا ثبوت پیش کیا گیا تو لارنس اور اس کا دوست سمجھ گئے کہ ترک اپنا لفظ لفظ منوانا چاہتے ہیں۔

اغلب تھا کہ لارنس کو جیل خانے بھیج دیا جائے۔ عدالت میں لارنس اور اس کا دوست بحث کرتے رہے۔ لیکن یہ سب بیکار ثابت ہوا۔ لیکن خوش نصیبی سے صفائی پیش کرنے کے لئے انھیں ایک ہفتہ کی مہلت مِل گئی۔

وولی نے خالص دفتری زبان میں ان پتھروں کی حقیقتِ حال لکھی اُس نے اِس کو بہت ہی معمولی بات سمجھا۔ لیکن دوسرے ہی ہفتہ لارنس دو سپاہیوں کی حراست میں لے جایا گیا اور اسے دوبارہ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا۔

مجسٹریٹ نے یادداشتیں لے کر رکھ لیں۔ وولی اِصرار کرتا رہا کہ یہ یادداشتیں اسے واپس مِل جانی چاہئیں۔ لیکن مجلسِ عدالت جب دوپہر کے کھانے کے لئے ملتوی ہوئی تو بوڑھا ترک ان یادداشتوں کو اپنے ساتھ ہی

لیٹ گیا۔

وولی کو یہاں لارنس سے بات کرنے کا موقع ملا۔ اب انھیں یقین ہوگیا کہ مجسٹریٹ اسے جیل خانہ بھجوا دینے پر تلا ہوا ہے۔ وولی کو کاغذات واپس مل جانے چاہیئے تھے لیکن نہیں ملے اِس لئے اب ان دونوں کو دھاندھلی کی سوجھی۔ ترکی میں جیل خانے بڑے گندے، غیر صحت بخش اور کیڑے مکوڑوں سے بھرے ہوئے مقام ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ ان میں ٹھونس دیئے جائیں ان کی زندگی ہولناک ہوجاتی ہے۔

عدالت کا اجلاس پھر شروع ہوا۔ کمرۂ عدالت میں جو ترک موجود تھے ان کے چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ لارنس کے سزایاب ہونے کا انھیں پورا یقین تھا۔ اس بات کو دونوں دوست بآسانی سمجھ سکتے تھے۔ کٹھرے میں کھڑے کھڑے وولی نے لارنس پر ایک نگاہ ڈالی۔ اس نے سر ہلا دیا۔ یہ گویا اِشارہ تھا۔

پستول نکالتے ہوئے وولی نے ڈپٹ کر کہا: ”اُٹھاؤ ہاتھ۔“

پستول کا رُخ مجسٹریٹ کی طرف پھیرتے ہوئے اس نے پھر کہا۔ ”حرکت نہ ہو ورنہ اڑہی جاؤ گے۔“ ترک مجسٹریٹ خوب سمجھا ہوا تھا کہ پستول چھوٹ جائے تو نشانہ کبھی خطا نہیں کر سکتا۔

کمرۂ عدالت میں ہر شخص نے ہاتھ اٹھا کر چھت سے لگا دیئے۔ برافروختہ انگریز (وولی) کی للکار نے سب کو کافی بدحواس کر دیا تھا۔ وولی اپنا پستول ہر طرف گھما رہا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک بیک وقت اس کا نشانہ بن سکتا ہے۔

وولی کا للکارنا ہی تھا کہ لارنس کٹھرے سے باہر کودا۔ اور عدالت

کے عقب میں مجسٹریٹ کے کمرہ میں سے ہوتا ہوا بھاگا۔ کسی کو خیال تک نہ آیا کہ لارنس کر کیا رہا ہے۔ سب کی نگاہیں دوولی اور اس کے پستول پر لگی ہوئی تھیں۔

لوگوں کی بھیڑ میں سے بھاگتے ہوئے لارنس ہنستا جاتا تھا۔ یہ بات ایک معرکہ سے مشابہ معلوم ہوتی تھی۔ چوروں کی اس جماعت پر لارنس اور دوولی یہ ثابت کر دینا چاہتے تھے کہ کسی انگریز پر اس قسم کی کارروائی سے وہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

چند ہی لمحوں بعد وہ ہاتھ میں کاغذات ہلاتے ہوئے پھر آن موجود ہوا۔ اور کہا۔

"یہ ہیں میرے پاس"

دوولی نے اس کو دروازہ کے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اور خود بھی اس سے وہاں جا ملا۔ کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کمرۂ عدالت سے انھیں برآمدہ میں نکلنے سے روک لے۔

قد آور دوولی دھمکی کے طور پر پستول ہر طرف گھما رہا تھا۔ وہ کافی خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ اور اس کا پستہ قد دوست بھی لڑائی کے لئے تیار تھا۔ لیکن ترک بالکل خاموش تھے۔

دونوں دوست گلیارے کی طرف واپس ہوئے۔ مرعوب و مجبور ترک غصہ ناک ہو ہو کر مجرم کو اپنے کیمپ کی طرف آزاد انسان کی حیثیت سے جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

اس قضیہ کے متعلق پھر کوئی خبر نہیں ملی۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یقین ہو گیا ہوگا کہ یہ انگریز نژاد نوجوان صرف مٹی کھودنے ہی کے اہل نہ تھے بلکہ سپاہی بھی تھے۔

۱۹۱۳ء میں میجر ینگ (جو اب میجر سر ہربرٹ ینگ۔ کے۔ سی۔ یم۔ جی ڈی۔ ایس۔ او۔ گورنر شمالی رڈیشا ہیں) ان کھنڈروں کے معائنہ کے لئے آئے گرمیوں میں کام بند کر دیا گیا تھا البتہ ایک خاموش پستہ قد نوجوان انھیں ملا جو اکیلا یہاں رہتا تھا۔ اس کا نام لارنس تھا۔

لارنس نے، میجر اور ان کے دوست کو پہاڑی کی سیر کرائی۔ اس نے جو تفصیل کہنی شروع کی تو میجر اتنے منہمک ہو گئے کہ ریل کا وقت گزر گیا۔ دن بھر میں یہی ایک ریل تھی جو انھیں مل سکتی تھی۔ لارنس نے ان کے رات بسر کرنے کا انتظام کیا۔ دوسرے دن میجر ینگ کا دوست تو روانہ ہو گیا لیکن خود میجر کئی دنوں تک ٹھہرے رہے۔

کھانا ان برتنوں میں اور پیالوں میں پیش کیا جاتا جو صدیوں تک زمین میں دفن رہ چکے تھے۔ میجر ینگ کو یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ جن پیالوں میں وہ قہوہ پی رہے ہیں، انھیں تقریباً ۴ ہزار سال پیشتر ہتیوں نے برتا تھا۔

دو ایک دفعہ میجر لارنس کے ہمراہ قریب کے دیہات میں گئے۔ انھوں نے فوراً معلوم کر لیا کہ ان کا دوست دیسی باشندوں میں کتنا گھل مل گیا ہے۔ گاؤں والوں نے اُس کو خوش آمدید کہا۔ لارنس ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا اور اس بے تکلفی اور صفائی سے بات چیت کرتا رہا کہ اس کو انگریز سمجھنا دشوار ہو گیا۔ وہ یہیں کا متوطن جان پڑتا تھا۔

میجر یہ دیکھ کر سخت متحیر ہوئے لارنس آثریات سے انتہائی شغف رکھنے کے باوجود ظریف الطبع بھی تھا۔

لارنس کا ایک بھائی بھی اس سے ملنے کے لئے آ گیا تھا۔ اور اس

صحبت میں شریک تھا۔ گفتگو جرمنوں کے متعلق ہو رہی تھی۔

اس وقت میجر کو لارنس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ یا ہنسی کھیلتی نظر آئی میجر نے پوچھا: "ہنس کیوں رہے ہو"

صرف اس لئے کہ میں نے کچھ ہی دیر پہلے جرمنوں کو کافی بیوقوف بنایا ہے"

"بیوقوف بنایا ہے"!

پوری طرح ہنستے ہوئے لارنس نے جواب دیا "جی ہاں۔ بیوقوف بنایا ہے دیسی باشندوں کے ساتھ ان کا برتاؤ دیکھکر مجھے تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے میں نے ان کی سرزنش کرنی چاہی۔

میجر کا رخ دوسری سمت پھیر کر اس نے ایک ٹیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس کو تو دیکھتے ہونا"

میجر نے سر ہلایا۔

کل شام میں لوہے کے پائپ گھسیٹتے ہوئے ٹیلہ پر لے گیا۔ اور اوپر سے ان کو اس طرح ڈھکیل دیا کہ ان کے سرے جرمنوں کی زیر تعمیر سڑک اور پل کی طرف نشانہ کئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

"پھر کیا ہوا"!

لارنس پھر ہنسا اور کہنے لگا۔

میں قسم تو نہیں کھا سکتا کہ اس کا لفظ لفظ صحیح ہے۔ البتہ میں نے سنا ہے کہ جب انھوں نے ان دھندلکے میں ان پائپوں کو وہاں جما ہوا پایا تو فوراً انھیں میرا خیال آگیا ـــــــ تم جانتے ہو کہ میں ان کی نظر میں جاسوس

ہوں۔ ———

اُنھوں نے ان پائپوں کو بندوق سمجھ لیا۔ اور دہشت اور غصّہ سے بدحواس ہو کر لگے برلن کو تاریں دوڑانے۔!

خوشی کی مسکراہٹ سے لارنس کے چہرہ پر شکن پڑ گئے۔

میجر نے مشکل سے یقین کرتے ہوئے لارنس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"میں نہیں سمجھا"

جی ہاں انھوں نے یہی کیا۔ انھوں نے تار بھجوائے کہ اس دیوانہ انگریز ——— یہاں لارنس ہنسی کو ضبط نہ کر سکا ——— نے ہماری زیر تعمیر سڑک پر بندوقیں چڑھا رکھی ہیں۔ جس سے سڑک اور ندی کا پل دونوں خطرہ میں ہیں۔

میجر ینگ کو اس نوجوان انگریز کے سمجھنے کا یہاں خوب موقع ملا۔ وہ اول ہی سے انھیں اپنا گرویدہ بنا چکا تھا ——— انھیں وہ عجیب "مجموعہ اضداد" نظر آتا تھا۔

وہ سارا وقت ہٹیی کے قدیم کتبوں کی عبارتیں سلجھانے میں صرف کرتا تفصیلات کو نقل کرنے کا بڑا اہتمام کرتا اور بڑی احتیاط برتتا۔

فرصت کے اوقات میں وہ کیمپ سے بہت دور نکل جاتا۔ کوئی پرانا بوتل یا ٹن نصب کر کے ماسر کے بڑے پستول سے چاند ماری کرتا۔ میجر ینگ سے بھی دو ایک دفعہ نشانہ بازی کا مقابلہ ہوا۔ مگر لارنس نے اس پیشہ ور سپاہی کو ہر دفعہ شکست دی۔

میجر ینگ نے لکھا ہے کہ "لارنس بہترین نشانہ باز تھا"

جب وہ ہر کام سے فارغ ہوتا اور نشانہ بازی کی مشق بھی نہ کرتا ہوتا تو

عموماً پڑھتا رہتا۔ اور اگر وہ پڑھتا ہوا بھی نہ ملے تو اس کا کہیں بھی ملنا ممکن نہیں۔ وہ صحرا میں اپنے کسی پُراسرار سفر پر روانہ ہوگیا ہے جسکے متعلق وہ کہتا تو بہت کم ہے لیکن سوچتا بہت زیادہ ہے۔

امریکی یونیورسٹیوں کے طالب علم تعطیلوں میں ان کھنڈروں کو دیکھنے آتے۔ لیکن Carchermish پہنچتے ہی اچنبھے میں رہ جاتے ان طالب علموں میں سے ایک نے تو بڑی راست گوئی سے کام لیا۔ اس نے اپنے گھر کو لکھا کہ " مجھے توقع تھی کہ یہاں سفید بالوں والے خمیدہ قامت بڈھے عالم نظر آئیں گے " لیکن اسے یہاں بالکل نوعمر دو نوجوان نظر آئے۔

لارنس ہمیشہ ٹینس کی قمیص، نکر اور آکسفورڈ کا رنگین کوٹ پہنا رہتا جس کی جیب پر Magdelen کا تمغہ آویزاں ہوتا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ زندگی بھر دھوپ کی تمازت کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ ہمیشہ مطمئن اور پرسکون ہی نظر آیا۔

چھوٹے چھوٹے بستر جن پر یہ ملاقاتی طالب علم سویا کرتے تھے اُن نایاب کمبلوں سے ڈھکے ہوئے تھے جنھیں لارنس بعض دور افتادہ گاؤں سے لے آیا تھا۔ وہ عجیب طور پر بعض کونوں میں لٹکا دیئے گئے تھے۔ لارنس خوب جانتا تھا کہ یہ صدیوں کی رنگین تاریخ کے خاموش گواہ ہیں۔

وہ شام کے وقت اپنے کیمپ سے نکل جاتا۔ دوسرے دن یا دو تین دن کی آوارہ گردی کے بعد بعض قدیم یادگار چیزیں لے کر واپس آجاتا۔

اِن دور افتادہ پہاڑوں اور وادیوں کے دیہاتی اِس خاموش نیلی آنکھوں والے " بے دین " کے متعلق حیرت سے سرگوشیاں کرنے لگتے جو بلاخوف وخطران کے درمیان گھوما کرتا تھا۔ جو اپنے دور دراز ملک کے قصے

بیان کرتا اور اس کے معاوضہ میں ان کی گپ شپ سنتا۔

ان لوگوں کے پاس نہ تو اخبار تھے اور نہ کتابیں۔ ان میں سے معدودے چند ہی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ لیکن مشرق کا قصہ گو زندہ اخبار کا کام دیتا ہے۔ وہ گانو گانو اور قصبہ قصبہ خبریں پھیلاتا پھرتا ہے۔ قصہ گو آتا اور گانو کی چاوڑی یا کسی جھاڑی کے ٹھنڈے سایہ میں بیٹھ جاتا۔ اور جب چھوٹے بڑے سب اس کے گرد جمع ہو جاتے تو اپنے ہموار لہجہ میں اس عظیم الشان دنیا کے حالات سناتا جہاں سے وہ چلا آرہا ہے۔ بعض قصے صحیح ہوتے، بعض وہ ہوتے جنھیں وہ راستہ چلتے وقت گھڑ لیتا۔

اور اگر وہ کہانیاں سننا چاہتے تو اس میں بھی وہ طاق تھا۔

دوپہر کی دھوپ میں، جب مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آوازیں، یہ اور اسی سے ملتے جلتے قصے بیان ہوتے جن میں ماضی حال اور مستقبل کے حالات پر گفت گو ہوتی تو لارنس انھیں سنا کرتا۔ اور بعض اوقات جب کہ الاد لگا ہوتا، وہ تاروں بھرے آسمان کے نیچے بیٹھا، اپنے نئے دوستوں کو یہ بتانے کی کوشش کرتا کہ انگلستان کیسا ملک ہے۔

وہ ان جہازوں کا حال بتاتا جو سمندر میں سفر کرتے ہیں۔ اس مقام کی بابت بھی کہتا جس کا نام "لنڈرا" ہے۔ وہ اس عظیم الشان شہر کا حال سننے سے کبھی نہ اکتاتے جہاں کے باشندوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انھوں نے نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔ حتیٰ کہ عظیم الشان عرب بادشاہوں کے عہد میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔

وہ کہتے کہ لارنس کو سچ مانیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ "لنڈرا" میں لوگ زمین سے بہت اوپر رہتے ہیں، سطح زمین پر رہتے ہیں اور زمین کے نیچے

رہتے ہیں ۔

وہ جانتے تھے کہ مغرب کی سمت میں، بہت دور ایک لوہے کی سڑک ہے جس پر لوہے کے بھوت لکڑی کے ڈبوں کو کھینچتے ہوئے بھاگتے رہتے ہیں لیکن یہ "انگلسی" تو کہتا ہے کہ یہ لوہے کی سڑکیں زمین کے پیٹ میں بھی جا پہنچی ہیں جہاں سے لوگوں کو سورج کے دیکھنے کے لئے کئی قدم آگے بڑھ آنا پڑتا ہے ——— اللہ اللہ ——— وہ حیرت زدہ ہو کر سرگوشی کرنے لگتے ۔

لارنس کہتا ہے" اور وہاں کی گلیاں اتنی لمبی لمبی ہیں کہ تم ایک سرے سے دوسرا سرا نہیں دیکھ سکتے ۔ اس پر سننے والوں کا حلقہ حیرت زدہ ہو کر جھنجھنا اٹھتا ۔

ابتدائی ایام میں لارنس کی زندگی کا یہ نقشہ تھا ۔ وہ اگر کھدائیوں میں نہ مصروف ہوتا تو عموماً دیہاتی علاقوں میں گشت لگایا کرتا ۔ ہر دفعہ اس سرزمین کے متعلق اس کی معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا جس کا وجود خود ایک معمّہ تھا ———

وہ کبھی کبھی چٹانوں والی وادی کے اندر یا باہر کے تنگ اور ٹیڑھے میڑھے راستہ پر چل پڑتا ۔ کبھی اس راستہ پر جا نکلتا جس پر، پہاڑ کے دامن میں بنے ہوئے، رومیوں کے قلعہ یا کسی زمانہ میں مسیحی مجاہدوں کے بڑے قلعے کی دیواروں کی تلاش میں برسوں آمد و رفت رہی ہو گی ۔

صحرا میں طویل طویل سفر وہ ساربانوں کے ساتھ طے کرتا ۔ یا خود اس کے دماغ میں ایک متحرک کاروان پیدا ہو جاتا جب وہ عالم تخیل میں بخور اور لوبان والے قدیم زمانوں کو دیکھنے لگتا ۔ وہ دن جب کہ دمشق اور حلب کے

بازاروں میں خوشبودار لباس اور قیمتی جواہرات کے کاروان کتھے Cathay کے دور دراز ملک اور ہندوستان کے مندروں اور محلات سے آ آکر بکا کرتے ہوں گے۔

سیکڑوں سال قبل ایک عظیم الشان قوم اس ملک میں آباد رہ چکی ہے اب اس کی یادگار صرف قصے کہانیاں رہ گئی ہیں یا چند چٹانیں۔ وحشیوں نے روم کی تھکی ہوئی حکومت کا صفایا کر دیا تھا۔ اور چند صدیوں تک فرقے اور قبیلے شہر بشہر آوارہ گردی کرتے رہے۔ وہ ان کھنڈروں کی، جو روم کی گزشتہ عظمت کی یادگار تھے، تعمیر کر ہی رہے تھے کہ ان سے طاقتور قبیلوں نے اُنھیں بھی مار بھگایا۔

پھر ایک یتیم نے جس کا نام محمدؐ تھا ایک نئے دین کی تلقین کی۔ نویں صدی عیسوی تک اس کے پیرو قرآن (عربی بائبل) کے اثر سے اس وقت کی معلوم سرزمین یعنی کتھے Cathay کی دور دراز پھیلی ہوئی فوجی چوکیوں سے لیکر اسپین تک پھیل گئے۔ عربوں نے سلطنتیں قائم کیں۔ ہیئت۔ طب اور ریاضی میں وہ یکتائے روزگار تھے۔ مقناطیسی سوئی سیکڑوں سال قبل انھیں نے ایجاد کی۔ وہ بہترین جہاز راں تھے۔ اس وقت کے عرب کئی چیزوں سے واقف تھے جن کو دنیا بعد میں صدیوں تک بھولی رہی۔ اب بھی، اس زمانہ میں، ان کے مدفون شہروں کی کھدائی میں کوئی ایسی بیش بہا چیز ہاتھ لگ جاتی ہے جس کے رنگ کی خوبصورتی اور وضع کی درستی ہماری فہم سے بالاتر ہوتی ہے۔

جنگ عظیم کے پیشتر کے چار برسوں میں لارنس نے ان قدیم سلطنتوں کے طول وعرض کا دورہ نہیں کیا یا نہ کر سکا۔ لیکن وہ وہاں ضرور گیا جس کو

اس سرزمین کے تمدن کا گہوارہ کہنا چاہیئے۔ یہاں کے کھنڈروں اور مقبروں میں، مدفون نوادر اور چٹانوں کے کتبوں میں ـــــ جس کو عہد قدیم کی مشقی تختیاں کہنا چاہیئے ـــــ اس نے حیرت انگیز ماضی کی کہانی پڑھی۔

مسیحی مجاہدوں کے قلعوں میں اس نے عیسائیت کی پرقوت پیش قدمی اور اسلام کے مقابلہ میں طویل معرکوں کے بعد اس کی پسپائی مشاہدہ کی۔ وہ فلسطین سے شام گیا اور اس ملک میں سے گزرتا ہوا اس مقام پر جا پہنچا جہاں انگلستان اور یورپ کے سردار اور دیہاتی اپنے مقدس شہر یروشلم کے لئے کئی دفعہ لڑ چکے تھے۔ اس نے ان سڑکوں پر سفر کیا جن پر موٹریں حال حال میں چلنے لگیں تھیں۔ اور ان راستوں پر بھی جو سینا اور شام کے ریگستانوں کو قطع کرتے ہوئے گزرتے ہیں۔ اور جن پر اونٹوں کے بے شمار کاروانوں کی آمد و رفت نے ہمیشہ بدلتے ہوئے صحرا میں بھی ایک مستقل راستہ بنا دیا تھا۔ ان پگڈنڈیوں پر بھی اس کے قدم پہنچے جن کو صرف عرب کا قصہ گو ہی جان سکتا تھا۔ اس ملک کے ان سوکھے ساکھے، بے آب و گیاہ، جان لیوا اور بظاہر ناقابل گزر معلوم ہونے والے علاقوں میں جو آڑے ترچھے آتش فشانوں سے مشابہ تھے، یہ پگڈنڈیاں صرف قریب کے راستوں کا کام دیتیں اور وہ بھی صرف اسی شخص کے لئے جس میں ہمت شجاعت اور قوت ہو۔

لوگوں کی زبان پر ترکوں کے ظلم و تعدی کے قصے تھے۔ پانسو سال تک ترکوں کی حکومت نے عربوں کا کیا حال کر دیا ہے وہ چپکے چپکے بیان کرتے اس لئے کہ کوئی سن پاتا تو شکایت کرنے والے کو قید، اور بعض دفعہ جسمانی

تعذیب حتیٰ کہ موت تک کی سزا ملتی۔

عربوں کی عظیم الشان سلطنت بُری طرح منتشر ہو چکی تھی۔ ہر قبیلہ کی وفاشعاری کا مرکز جداگانہ تھا۔ ایک ہی قوم کے افراد ہونے کے باوجود وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ وہ علانیہ دانفل اور چھرے سے لڑتے۔ اور ایک دوسرے کے کاروانوں پر چھاپے مار کر اونٹوں اور غلاموں کو لے جاتے۔ پہاڑ پر رہنے والے رات کے وقت میدانوں میں اتر آتے۔ اور جب سورج نکلتا تو تباہی اور لوٹ اور حملہ آوروں کے گزر جانے کا منظر پیش نظر ہوتا۔

وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ ان میں کا ہر ایک اپنے دشمن کو مار ڈالنے کا حلف اٹھا چکا تھا۔ البتہ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک دو ارادے یا تصور کارفرما نظر آتے تھے وہ اپنی گزشتہ سلطنت کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ اور خود کو ترکوں کی قابل نفرت غلامی سے آزاد کرا لینا چاہتے تھے۔

لارنس کوئی متمول آدمی تو نہ تھا۔ اس نے اپنی ابتدائی زندگی کے کئی سال مشرق قریب میں غریب لیکن خود دار عربوں کے درمیان گزارے وہ ان کی آزادی کی خواہش سے بہت متاثر ہوا اور جب ان کو اچھی طرح پہنچان گیا تو ان پر اعتماد کرنے لگا۔

کئی سیّاح گزرے ہیں جنھوں نے عربوں کا بھیس بدل کر ریگستانوں کو طے کر ڈالا ہے حتیٰ کہ مقدس شہر مکہ میں بھی جا داخل ہوئے۔

لارنس پستہ قد تھا۔ داڑھی مونچھ دونوں صاف کرتا۔ اس کے بال سنہری تھے اور آنکھیں نیلی اس کا جسم دھوپ سے گندمی ہونے کے بجائے

اینٹ کی طرح سرخ ہو جاتا۔ اِس طرح وہ عربوں کی بالکل ضد تھا۔ جہاں کہیں اجنبی کی حیثیت سے جاتا فوراً پہچان لیا جاتا۔ وہ ایسا تھا جس کو دیکھ کر عموماً عربوں کے دِلیں نفرت ہی نہیں، بلکہ اس پر حملہ کرنے، لوٹ لینے حتیٰ کہ مار ڈالنے کا خیال پیدا ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ ان کی مصیبتوں میں علانیہ طور پر ان سے ہمدردی کا اِظہار کرتا۔ وہ ان کے ارادوں اور خواہشوں سے اِتنا قریب تھا اور ان کے خوابوں پر ایسا یقین واثق رکھتا تھا کہ انھوں نے اس کو اپنے دل میں جگہ دی اور اس کو اپنا مخلص سمجھا۔

یہ تو اس کی سیرت کا ظاہری پہلو تھا۔ لیکن اس کا ایک خاص پہلو اور بھی تھا۔ وہ عسکریت کی تاریخ سے واقف تھا۔ اور فوجی معرکوں اور صلیبی لڑائیوں کا گہرا مطالعہ کر چکا تھا۔ اس علم اور واقفیت نے اس کی فطرت کے جاں بازانہ حوصلہ سے ہم آہنگ ہو کر، جو سیاحوں اور سپاہیوں سے سلسلہ بسلسلہ اس کو ورثہ میں مِلا تھا، اس میں یہ صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ صدیوں پہلے کی زندگی کا تصور کر سکتا تھا۔

گزشتہ کی عظمتوں اور حال کی تباہیوں نے اس عجیب اور محیرالعقول ملک سے مزید واقف ہونے کی آرزو اس میں پیدا کر دی تھی۔

اس کے تمام تصورات محض خواب ہی خواب نہ ہوتے۔ اِنگلستان واپس ہو کر اس نے مبسوط کتابیں لکھیں جن میں اپنے دیکھے ہوئے مقاموں اور چٹانوں اور ریت میں دبے ہوئے قدیم شہروں کی تفصیل نہایت خوبی سے بیان کی گئی ہے۔

پرانے ماہروں اور برسوں کا تجربہ رکھنے والوں نے اِن روداد ول

میں ایک عجیب و غریب دل و دماغ کی شہادت پائی۔ اور وہ لوگ جو اِس ملک اور اس کی تاریخ سے واقف تھے لارنس کو غیر معمولی ذہین شخص سمجھنے لگے۔ ایک بڑے آدمی نے دوسرے سے کہا "ایک غیر معمولی لڑکا .... عربوں کے درمیان بھٹکتے رہنے کے لئے وقف ہو چکا۔

سنہ ۱۹۱۳ء میں لارنس نے دو عرب فورمن اپنے ساتھ لے لئے۔ جس کے سبب آکسفورڈ میں گپ بازی کا خوب بازار گرم رہا۔

عرب اس کے باغ کے پائین والی جھونپڑی میں رہتے تھے۔ یہ جھونپڑی اس نے اپنے مطالعہ کے کمرہ کے طور پر بنائی تھی۔ نیز اس لئے بھی کہ اپنے چھوٹے بھائیوں کی پرشور مداخلت سے یہاں سکون مل سکے۔ اِن عربوں کے مختصر زمانۂ قیام میں لارنس نے انھیں سائیکل کی سواری سکھلائی۔ لیکن عربوں کی تمام تر توجہ اس امر پر رہتی کہ اِنتہائی تیز رفتار کے اُصول سمجھ میں آجائیں۔

جنگ عظیم سے پہلے ٹرافک کوئی زیادہ نہ تھی۔ پھر بھی یہ نسبتاً نئی سواری عام رہروں کے لئے کچھ پریشان کن ہی تھی۔ لارنس عربوں کو لیکر بہت کم باہر نکلتا۔ عرب اپنی لمبی چوڑی عبائیں ملبوس ہوتے جس پر لوگوں کو ان کے عورت ہونے کا گمان گزرتا۔ ان میں ایک عرب کے چہرہ پر داڑھی تھی جس کے متعلق لوگ اس کے سوا کچھ نہ سمجھتے ہوں گے کہ یہ بھی سرکس کی مشہور داڑھی والی عورتوں میں سے ایک ہے۔

عرب ایک دفعہ چڑیا گھر بھی گئے۔ بعض جانوروں کو تو وہ جانتے تھے۔ خود عربستان میں چھوٹے چھوٹے سانپ بکثرت پائے جاتے ہیں لیکن اَجگر کو دیکھکر وہ بہت خوش ہوئے۔ ان سے جب پوچھا گیا ہوگا کہ

تم نے چڑیا گھر میں کیا دیکھا تو انھوں نے یقیناً یہی جواب دیا ہوگا کہ ہم نے "مکانوں کے برابر لمبے سانپ دیکھے" اور چونکہ تمام عرب قصہ گوئی میں بڑے اُستاد ہوتے ہیں اس لئے اغلب ہے کہ اپنے ملک پہنچتے پہنچتے ان سانپوں کی لمبائی گلی کے برابر ہوگئی ہوگی۔

(۴)

۱۴-۱۹۱۳ء کے جاڑوں میں حکومت مصر سینا کا فوجی نقشہ حاصل کرنے کے لئے بے چین تھی۔ کرنل نیو کامب اس کام پر مامور ہوئے۔ حکومت ترکیہ سے درخواست کی گئی کہ ملک کی پیمائش کی اجازت دے۔ لیکن حکومت ترکیہ اپنے انکار پر جمی رہی۔

متعلقہ عہدہ دار سر جوڑ کر بیٹھے۔ انھوں نے ترکوں سے دوبارہ اِستمالت کی کہ کیا وہ ملک کے آثار قدیمہ کی حد تک پیمائش کی اجازت دے سکتے ہیں؟

یہ اور بات ہے۔ ترک راضی ہو گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں دولی اور لارنس نے سینا کے تقریباً چپہ چپہ زمین کی پیمائش کر ڈالی۔ وہ ساتھ ہی قدیم کاروانوں کی گزرگاہوں اور کھنڈروں کو بھی دیکھتے جاتے تھے۔ کرنل نیو کامب ان کے ہمراہ تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں تینوں نے اپنا کام ختم کر دیا اور ایک اثری نقشہ Archæological Map لئے واپس لوٹے جو ماہرین کے نزدیک باضابطہ پیمائشی نقشہ کے عین مطابق تھا۔

ایک دفعہ تو عیار ترک دھوکہ کھا ہی گئے۔ اور کرنل نیو کامب کو نقشہ تیار کرنے کے لئے وہ تمام مسالہ مل گیا جس کی حکومت مصر کو شدید ضرورت تھی

۱۹۱۴ء کی گرمیوں میں لارنس آکسفورڈ واپس آگیا۔ وہ شہر ہی میں تھا کہ جنگ کا اعلان ہوگیا۔ کچھ عرصہ کے لئے دفتر جنگ کے شعبہ نقشہ کشی میں اسکی خدمات مستقل طور پر حاصل کی جاتی رہیں۔ کرنل نیوکامب کا نقشہ مصری فوج کے استعمال کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ لیکن کرنل فرانس میں خدمت پر مامور تھے اس لئے دفتر جنگ میں تفصیلات کی وضاحت کے لئے لارنس کی طلبی ہر وقت ہوتی رہتی تھی۔

لارنس غیر فوجی لباس پہنا رہتا۔ کچھ ہی عرصہ بعد بعض عہدہ دار تعجب کرنے لگے کہ جب ہر ایک اپنی وردی میں ملبوس رہتا ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ یہ نوجوان دفتر جنگ میں کام کرنے کے باوجود شہریوں کے لباس میں ملبوس رہے۔ اس پوچھ گچھ کی بھنک شعبہ نقشہ کشی کے افسروں تک بھی جا پہنچی۔ انھوں نے خوش سلیقگی سے لارنس کو سمجھا دیا کہ وہ کم از کم کسی امگے تانگے کے یونیفارم میں نقشہ خانہ آیا جایا کرے تاکہ یہ پوچھ گچھ بڑی حد تک ختم ہو جائے لارنس نے یہی کیا۔ اور آئندہ سکینڈ لفٹنیٹ کی حیثیت سے نظر آنے لگا۔

فوجی خدمت کے لئے اس کی موزونیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان ہی ایام میں اس نے اپنے کسی بھائی کو لکھا ہے کہ اس کی جسمانی حالت کبھی اتنی اچھی نہیں رہی کہ وہ فوجی خدمت انجام دے سکے۔ بہرحال یہ امر مشتبہ ہی رہ جاتا ہے کہ اس نے کبھی اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کی ہوں گی ٹاپسی Topsy کی طرح وہ محض "اُگ آیا تھا"

فوجی عہدہ داروں نے بہت جلد بھانپ لیا کہ کوئی اعجوبۂ روزگار ان پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ وہ ان سپاہیوں سے بھی واقف تھے جو دفتروں میں کام کرتے ہیں۔ لیکن یہ! یہ طالب علم تو سپاہی سے کوئی مشابہت ہی نہیں رکھتا۔

حد ہو گئی کہ وردی پہن کر بھی وہ سپاہی نہ معلوم ہو سکا۔ اگر وہ فوجی کوٹ پہنتا تو گلا ہمیشہ کھلا رہتا۔ جیکٹ کی کسی نہ کسی جیب کی بندھن ہمیشہ ڈھیلی رہتی۔ وہ سکنڈ لفٹننٹ ہونے کی حیثیت سے مجاز تھا کہ ہر شانہ پر اکہرا تمغہ لگائے رہے۔ لیکن اس کو کبھی خیال بھی نہ آیا کہ وہ دونوں اپنی جگہ پر ہیں یا نہیں۔

بسا اوقات وہ سیم براون کا بلٹ نہ لگاتا جس کا لگانا ہر افسر کے لئے ضروری ہے۔ کئی چیزیں تھیں جو عہدہ داروں کو کرنی پڑتی تھیں لیکن لارنس کسی نہ کسی طرح ان کو ٹال جاتا تھا۔

اس کے بالادست عہدہ دار اس سے بحث کرتے۔ حکم دیتے کہ یہ کرو اور وہ کرو۔ حتیٰ کہ افسروں کو اس کی غفلت کی خبر تک دیتے لیکن ان کا کوئی نعل اس کو بدل نہ سکا۔ اپنے شعبہ میں اس کو اپنا کام کرنا ہوتا اور وہ اس کو پورا کرتا رہتا۔ اور جہاں تک فوجی وردی کے پہننے کا تعلق تھا۔ وہ اس کو ایک دفعہ پہن ہی تو چکا تھا اب اس سے کیا بحث کہ وہ اس کے جسم پر ہے یا نہیں۔

پیشہ ور فوجیوں کی نظر میں وہ یقیناً ان کے پیشہ کے لئے باعث توہین تھا۔ یہ بات بلا تامل وہ اس سے کہدیتے لیکن وہ بھی بلا تامل کہدیتا کہ "میں فوج کو ناپسند کرتا ہوں"۔

ڈسمبر تک یوں ہی کام چلتا رہا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا لارنس سے ناپسندیدگی بڑھتی گئی۔ وہ خود بھی فوج کی روح رواں یعنی ڈسپلن سے نفرت کرنے لگا۔ لیکن اس کے لئے صورت حال بدل رہی تھی۔ دفتر جنگ کی طرف سے کرنل نیوکامب فرانس سے انگلستان واپس بلائے گئے۔ مصر میں کمک درکار تھی۔ ان عہدہ داروں کی بھی ضرورت تھی جو اس ملک سے واقف ہوں اور وہاں کی زبان بول سکیں۔

کرنل نیوکامب سے پوچھا گیا کہ وہ کن لوگوں کو اپنے ساتھ رکھیں گے۔ کرنل نے نام سوچ رکھے تھے جن میں قبل جنگ کے دو دوست یعنی وولی اور لارنس بھی شامل تھے۔

سال کے شروع ہوتے ہی لارنس قاہرہ پہنچ کر Intelligence Service کے شعبہ فوجی نقشہ کشی میں شریک ہوگیا۔ اب بھی جب کہ باضابطہ طور پر وہ کام پر مامور تھا اس نے اپنے طور طریقے نہیں بدلے ان لوگوں کے ماسوا جو اس کو اچھی طرح جانتے تھے محکمہ کے دوسرے عہدہ دار اس کو شبہ اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اور ایک حیثیت سے تو اسے اپنی برادری سے خارج کر چکے تھے۔

لیکن لارنس بہت خوش تھا۔ وہ نہ صرف اپنے جانے بوجھے ملک میں تھا بلکہ ان نقشوں پر کام کر رہا تھا جن کے خاکے خود اس نے ملک میں سفر کر کے تیار کئے تھے۔

آپ کو ان لوگوں سے کتنی ہمدردی ہی کیوں نہ ہو جو فوج کے کڑے طریقوں اور احکام کو ناپسند کرتے ہیں پھر بھی یہ ماننا ہی پڑے گا کہ فوجی کل صرف اسی وقت چل سکتی ہے جب تک کہ ڈسپلن قائم ہے۔ اور جب تک ہر کام باضابطگی سے انجام پاتا رہے۔ اکثر موقعے ایسے آتے ہیں کہ اس فوجی ضابطہ پرستی Red Tape سے انحراف کیا جا سکتا ہے۔ (سخت اور جکڑے ہوئے آئین و قواعد کو ریڈ ٹیپ کا نام دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ تمام احکام، ہدایتیں اور اطلاعات لال رنگ کی دوڑی سے باندھکر، طبلق یں رکھے جاتے ہیں)۔

لیکن فوجی دستورالعمل سے انحراف کی صورت میں کام میں تھوڑی بہت،

سہولت ممکن ہے پیدا ہو جائے لیکن اس سے سارا فوجی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

لارنس یہ تو سمجھ گیا۔ لیکن پھر بھی کسی ایسے کام میں وہ تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا جس کے متعلق اُسے یقین ہو کہ وہ صحیح راستہ پر ہے۔ مشکل یہ تھی کہ اس کی قابلیت اور اس کی نو عمری فوج کے دیرینہ نظام کے قلب ماہیت کے لئے ناکافی تھی۔

اگر نقشہ میں کوئی غلطی ہوتی تو اس کی رپورٹ لکھنی پڑتی۔ اور غلطی کی نشاندہی کرتے ہوئے رپورٹ جانچ کے لئے بھجوا دی جاتی۔

یہ تحریر جب زینہ بزینہ عہدہ داروں کے پاس سے گزرتی تو اس میں ان کی لکھی ہوئی تحریریں بھی شامل ہو جاتیں۔ تاآنکہ وہ افسر مجاز تک جا پہنچتی اور اسی راستہ سے پھر واپس ہوتی۔ ممکن ہے یہ عمل کسی نام میں ایک آدھ حرف کی کمی یا زیادتی کے لئے ہی ہو لیکن یہ طریق عمل فوجی آئین کا ایک اُصول تھا جس سے اِنحراف ناممکن تھا۔ برسوں سے یہی عمل در آمد چلا آ رہا تھا اور اب اس کو بدلنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ضابطہ آخر ضابطہ ہے۔

لیکن سکنڈ لفٹنٹ ٹامس ایڈورڈ لارنس کا خیال کچھ اور تھا۔ بعض نقشوں کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ سرتا سر غلط ہیں اس لئے انھیں پرزے پرزے کر دیتا۔ دوسروں میں من مانی تبدیلیاں کرتا۔ نقشہ پر جن چیزوں کو مہمل سمجھتا وہاں حیران کر دینے والی یادداشتیں لکھ دیتا۔

اس سے کہا بھی گیا کہ وہ اس طریق عمل کا مجاز نہیں ہے لیکن وہ برابر یہی کرتا رہا۔ اس کے بالا دست جانتے تھے کہ یہ اس کا غلط طریق کار ہے لیکن بہت جلد وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ لارنس محض دل لگی کے طور پر یہ حرکتیں نہیں کر رہا ہے۔

اس کو اپنے ہر فعل پر اعتماد ہوتا۔ وہ جانتا اور کہہ دیتا (مخاطب چاہے اسکے مساوی درجہ کا عہدہ دار ہو یا اونچے درجہ کا) کہ نقشہ کی ایک غلطی بھی لڑائی کے ہارے جانے کا موجب بن سکتی ہے اور بالخصوص اس ملک میں جس کی "تحقیقات" وہ کر رہے ہیں کسی غلطی کا ہرگز روا دار نہ ہونا چاہیئے اس لئے کہ ریگستانی ملک غلطیوں اور فرو گزاشتوں کے باب میں بہت سخت گیر واقع ہوئے ہیں مثلاً کسی چشمہ کی جگہ کے تعین میں دس میل کا فرق زندگی اور موت کا فرق ہے ملک میں اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی بیسوں چھوٹی چھوٹی وادیوں میں سے کسی ایک کے نام کی غلطی بھی راہ بھٹک جانے کا موجب بن سکتی ہے۔

کسی متمدن ملک میں اس طرح راہ بھٹکنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ بہت جلد کوئی نشانِ راہ ایسا مل جائے گا جو سیدھے راستہ پر لا ڈالے گا۔ لیکن ریگستان میں راہ بھٹکنے سے تمہارا انجام بھی تم سے بیشتر لاکھوں ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہوگا۔ اور سالہا سال بعد تمہاری سفید ہڈیاں کسی بھولے بھٹکے مسافر کو پڑی نظر آئیں گی۔

جی ہاں! لارنس جانتا تھا کہ اس ملک میں نقشہ پر غلط نشانات کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ لڑائیاں کس طرح جیتی اور ہاری جاتی ہیں وہ نوعمر بے سلیقہ اور انتہائی غیر فوجی قسم کا انسان تھا لیکن اس کا قلب دنیا کے بعض عظیم ترین جرنیلوں سے ٹکر کھاتا تھا۔

کپتان ہو یا جرنیل لارنس نہ سلام کرتا اور نہ اس کی طرف متوجہ ہونے میں پہل کرتا۔ نہ مخاطب کئے جانے کا منتظر ہوتا نہ خود اس قسم کی گفتگو کرتا۔ مثلاً۔

"معاف فرمایئے حضور! میں آپ کی توجہ نہایت ادب سے اِس حقیقت

کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اس نقشہ میں ایک غلطی ہے"
برخلاف اس کے وہ اپنی انگلی غلطی پر ٹیک دیتا اور مختصر الفاظ میں کہتا "یہ غلط ہے" یا "یہ ٹھیک نہیں ہے" یا "یہ لغو ہے" "اس کو بدل دینا چاہیئے"

اور ساتھ ہی وہ لفظ "جناب" کو بھی نظر انداز کر جاتا۔

بلاشبہ وہ جنگ جاری رکھنے والوں کی نظر میں سرے سے سپاہی ہی نہ تھا۔

لیکن مشرق قریب کے معاملات میں اس کی قابلیت اور حیثیت مستند مانی جانے لگی تھی اس لئے کہ وہ اس ملک کے متعلق ہر دوسرے شخص سے کچھ نہ کچھ زیادہ واقفیت کا ثبوت دیتا رہا تھا۔ اسٹاف کے عہدہ دار کسی نقشہ پر اس کے خفیف سے ردوبدل اور دوسرے پر اس کی کسی برہم کر دینے والی حاشیہ آرائی پر متوجہ ہونے لگے تھے۔ اب مثل سابق ملک کے کسی قطعہ سے متعلق اس کی توضیحی اطلاعیں پس پشت نہیں ڈال دی جاتی تھیں۔ وہ اتنا جلد اپنا سکہ بٹھا چکا تھا کہ خاص قابلیت کے اور بالخصوص ترکوں کے طور طریقوں سے خوب واقف کار عہدہ داروں کو کٹ کی صورت حال کی اطلاع دینے کے لئے میسوپوٹیمیا بھیجنا طے پایا تو منتخب افراد میں لارنس بھی شامل تھا۔

بالآخر لارنس بصرے جا پہنچا۔ اور وہاں مس گرٹروڈ بل سے مل کر بہت مسرور و متعجب ہوا۔ یہ خاتون ممتاز زندگی گزار چکی تھیں۔ اور جنگ سے قبل شام اور عربستان کے بعض نامعلوم یا کم معلوم علاقوں کی چھان بین میں سختیاں اور خطرے برداشت کرتی۔ صحرا کے بعض اندرونی حصوں تک جا پہنچی تھیں خاتون موصوف اس ملک اور یہاں کے قبیلوں سے واقفیت

کی بنا پر مشہور رہیں۔ انھوں نے اپنے علم اور واقفیت کے ذریعہ نہ صرف امن کے زمانہ میں بلکہ دوران جنگ میں بھی انگلستان کی بڑی خدمت کی ہے۔

وہ ملے اور پرانی ریگستانی مہموں اور بالخصوص Carchermish کے کھنڈروں کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ وہ ان پرانے موضوعوں پر گفت گو کر ہی رہے تھے کہ ندی کے پرے بندوقوں کی درشت آواز سنائی دی جس نے جنگ کی دائمی یاد کو تازہ کر دیا۔

لارنس نے بڑے تپاک سے اس جاں باز خاتون کو الوداع کہا۔

دریا پر پہنچتے ہی لارنس کو معلوم ہوا کہ یہاں قریب ہی میں اُسے ایک بڑی مہم سر کرنی ہے۔ برطانوی فوجی افسروں کی جماعت کٹ کی مجوزہ فوجی دست برداری کے متعلق ابتدائی بات چیت شروع کر چکی تھی۔ محافظ فوج کی انتہائی جاں بازی اور قربانیوں کے باوجود یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ کٹ کو چھوڑ دینا ہی پڑے گا۔ باقی صرف یہ رہ گیا تھا کہ ترکوں سے ممکنہ بہتر شرائط منوالی جائیں۔

لارنس کے تفویض یہ کام تھا کہ ممکنہ تعداد میں انگریز زخمیوں کو منتقل کرتا رہے لارنس کو مدد کے لئے یہاں بھیجا ہی اس لئے گیا تھا کہ وہ اس ملک سے خوب واقف تھا۔ اس نے خندقوں میں چند دن گزارے جہاں وہ فوجی افسروں سے مسلسل گفت گو کرتا رہا۔ مردہ لاشوں کی سخت بدبودار اور مہلک ہوا میں سانس لینے اور ایسی غذا کھانے سے جس کو مکھیوں اور کیڑوں مکوڑوں کے نرغہ سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ لارنس کو ہلکا سا بخار چڑھ آیا۔ لیکن چند ہی روز کے آرام کے بعد وہ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اگرچہ اب بھی وہ کمزور تھا لیکن اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ انگریز عہدہ داروں کے لئے بشمول لارنس اب وہ وقت

آگیا تھا کہ ترکی افواج کے سفید جھنڈے کے آگے سپر ڈال دیں۔ یہ لارنس کے لئے
ایک انوکھی بات تھی۔ وہ بڑھاپے اور علالت کی پرسکون موت سے آشنا تھا۔
نہر سوئز پر لڑائی کے بعد اس نے بعض مردہ ترکوں کے فوٹو بھی لئے تھے۔ لیکن
یہ اس سے بھی زیادہ المناک اور وحشت ناک چیز تھی۔ وہ دو سو گز ہی گئے ہونگے
کہ یہ نوجوان طالب علم (لارنس) خود کو جنگ کی تمام ہولناکیوں میں گھرا پایا۔
جہاں تہاں خود اس کے ہم وطنوں اور ترکوں کی لاشوں کے انبار لگے تھے
جو بے دھڑک فتح کے داؤ پر لگا دیئے گئے تھے۔ اِس المناک منظر نے اس کی
فطرت کے سارے ستھرے پن اور بلا وجہ اذیت رسانی سے اس کے
عادتی گریز اور تنفر میں ایک ہیجان سا پیدا کر دیا۔ لڑائی تو بہر حال لڑنی تھی
لیکن اس نے کچھ ایسا محسوس کیا کہ لڑائی جیتنا ہی ہے تو اس کو اِتلاف جان
کے کم سے کم نقصان کے ساتھ محض ہوشیاری سے جیتنا چاہیئے جس کو فوجی
ماہرین کی اِصطلاح میں فن حرب Strategy کہا جاتا ہے
خوں ریز جنگ جوئی میں وہ خود کو دلیر نہیں پاتا تھا۔ لیکن فتح و شکست کا
انحصار اسی پر تھا۔ یہ لڑائی ترک جیت ہی چکے تھے۔ اور لارنس بظاہر اگرچہ
جسرِی نظر آتا تھا لیکن اس کو اپنے احساسات کے چھپانے میں بڑی جدوجہد
کرنی پڑتی تھی۔

اس قسم کی لڑائی میں کوئی عظمت و برتری نہ تھی۔ اِس لئے کہ یہ
قتل و خوں ریزی کا دوسرا نام تھا۔ اور ترک اپنے ابتدائی اقدام پر فتح
پا چکے تھے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جنگ آزادی کا نصب العین ہیولی کی شکل میں
ان دنوں اس کے خیالات پر مستولی ہو ظفر یابی کا یہ طریقہ تباہ کن حد تک

سست رفتار تھا۔ جنگ ایسی چیز ہے جس کو جلد ختم ہونا یا کر دینا چاہیئے کیونکہ سوائے تباہی کے اس کا نتیجہ کچھ اور نہیں ہوتا۔

فوجی صدر مقام سے اب اس کے تفویض یہ کام کیا گیا کہ ہوائی فوٹو گرافی کے ذریعہ نقشے بنانے کے اِمکانات پر رپورٹ روانہ کرے۔ اور تحقیقات شروع کرنے کے لئے اس کو بصرے بھیجدیا گیا۔ اس سے مقصود ممکن ہے لارنس کو آزمانا ہو یا ان ہی کی جدید گھڑی ہوئی اِصطلاح "شرارت" Mischief سے اس کو کہیں دور مشغول رکھنا ہو۔

اس نے اس خاص معاملہ میں اپنی رپورٹ بھجوائی۔ لیکن نقشوں اور تصویرکشی کے علاوہ بھی اس نے کچھ اور کیا۔

جب وہ کہہ چکا کہ ان کی تمام کارروائی غلط یا کم ازکم لاعلاج حد تک بے وقت کی چیز ہے تو اس نے ان عہدہ داروں کے روبرو ان کے طریق جنگ کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت بھی کی۔

مثلاً کشتیوں کو ساحل پر لانے لے جانے کے جو طریقے فوجی عہدہ داروں نے اِختیار کر رکھے تھے وہ ناقص تھے۔ کشتیوں پر سے سامان اتارنے کے طریقے بھی ناقص تھے جن میں وقت بہت زیادہ ضائع ہوتا تھا۔ ریلوے کی حد تک بھی کوئی اُصول نہ تھا۔ اسباب پڑا پڑا ضائع ہو رہا تھا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ جانتے ہی نہ تھے کہ اس کے متعلق کرنا کیا چاہیئے۔ طبی عہدہ دار اپنے فرائض سے ناواقف تھے۔ وغیرہا۔

واپسی پر یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسے قبول عام حاصل نہ ہو سکے گا اس نے اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ اور اپنی ایک اِسکیم کو بروئے کار لانا شروع کر دیا۔ مشرق کے نقشہ جنگ کا وہ گہرا مطالعہ کر چکا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ ترکِ اتحادیوں کو

کہاں رو کے ہوئے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ فلسطین کی لڑائیوں میں انگریزی افواج کو کن مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور ساتھ ہی اس کو ایک ایسا ملک نظر آیا جس کی آزادی کا خواب وہ برسوں سے دیکھ رہا تھا۔ یعنی عربستان۔

وہ جانتا تھا ـــــ نہ معلوم کیونکر ـــــ کہ لارڈ کچنر شریف مکہ حسین کو ترکوں کے خلاف آمادۂ بغاوت کرنے کے لئے کیا کیا تدبیریں اختیار کر چکے ہیں۔ اور یہ لفظ " بغاوت " ایسا تھا جو بار بار اس کے دل میں خطرہ پیدا کرتا تھا۔

اس کو یاد آگیا کہ ملک کے اس سرے سے اس سرے تک لوگ ترکوں کی قابل نفرت حکومت کو سخت گالیاں دینے لگے ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھ گیا کہ ظالم ترکوں کے خلاف ان چھوٹے چھوٹے قبیلوں سے ایک بہت بڑی فوج تیار ہو سکتی ہے۔

یہاں اس کے لئے ایک موقع تھا!۔

لارنس کا ایک گہرا دوست تھا جو فوجی اقدامات کے خفیہ امور میں مدد کر رہا تھا۔ مشرق کے مشہور سیاح کمانڈر ڈی۔ ایچ ہوگارٹ کو خود عرب کے مسئلہ میں دلچسپی تھی۔ وہ دوسروں کے ساتھ ملکر خفیہ طور پر اس امر پر غور کر چکا تھا کہ ترکوں کے خلاف اس لڑائی میں اتحادیوں اور بالخصوص انگلستان کی مدد کس طور پر کی جا سکتی ہے۔

حالات پر جمود طاری تھا۔ وہ فلسطین میں اقدام کرنا چاہتے تھے اور اور جنگ کے اس محاذ پر مزید کمک کی ضرورت تھی۔ لیکن کمک نہیں پہنچائی جا سکتی تھی۔ مغربی محاذ پر صورت حال اتنی اندیشہ ناک ہو چکی تھی کہ مشرق کی طرف کمک نہ بھیجنے میں کوئی ہرج نہ معلوم ہوتا تھا۔

یہ اطلاعین پاکر، اور یہ سمجھ کر کہ جو کچھ کرنا ہو، خود ان ہی کو کرنا پڑے گا، افسروں کی یہ چھوٹی سی جماعت حزم و احتیاط اور تندہی سے ترکوں اور برطانوی افواج کی صورت حال کا مطالعہ کرنے لگی۔

لارنس اپنے دوست سے ملا اور اس سے اپنے "خواب" کا کچھ حصہ بیان کیا۔ سن کر یہ مرد مُسن بھی چکرا گیا اور نقشہ کے مطالعہ کے لئے اس کے ساتھ ہو لیا۔

اسی اثناء میں انھیں کوئی خبر سنائی پڑی جس نے انھیں چونکا دیا اور تیز کارروائی پر مجبور کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عربستان کے متعلق ترکوں کے بھی بعض نقاط نظر تھے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ تمام عالم اسلام کی نظریں مذہبی ہدایت اور مدد کے لئے مکہ پر لگی رہتی ہیں۔ شرع محمدی کے پیرو خواہ وہ ہندوستان کے ہوں یا افریقہ کے، ایسٹ انڈیز کے ہوں یا ایشیائے کوچک کے، ان سب کے دلوں میں ایک خیال چھپا ہوتا ہے اور وہ جہاد یا مقدس لڑائی کا خیال ہے۔ ان کا مذہب انھیں مجبور کرتا ہے کہ 'بے دینوں' کے خلاف جو علم اٹھے اس کی پیروی کریں۔ اور اگر مکہ میں جہاد کا اعلان ہو جاتا تو دنیا کی متمدن اقوام میں لڑائی کا نقشہ ہی بدل جاتا۔

یہ ہلال اور صلیب کا پرانا جھگڑا تھا۔ جس سے ڈر تھا کہ مبادا سلطنت برطانیہ کی مسلمان رعایا اس مجنونانہ صدائے جہاد کو سن کر حکومت برطانیہ کے سپاہیوں ہی پر پل پڑے۔ اس کے معنی یہی ہو سکتے تھے کہ تمام ہندوستان اور افریقہ، سفید نسل کے مقابل میں صف آرا ہو جائیگا۔ چونکہ ان میں سے بیشتر ممالک پر خود برطانیہ کا قبضہ تھا اس لئے یہ چیز اتحادیوں کے مقصد کے لئے سخت اندیشہ ناک تھی۔

یہ سمجھ کر ترک اور جرمن سر جوڑ کر بیٹھے۔ اور جہاد کے اعلان کا منصوبہ باندھا وہ باور کرانا چاہتے تھے کہ وہ ان کی مدد کریں گے جو عظیم الشان مسلم امپائر کے قیام کے لئے لڑائی میں ان کے ساتھ شریک ہوں۔

لیکن اس کے علاوہ بھی انھوں نے بہت کچھ کیا۔ حجاز ریلوے کے ذریعہ وہ مدینہ کو فوجیں بھجوانے لگے جو اس ریلوے لائن کا آخری اسٹیشن ہے۔ یہ فوجیں جہاں پہنچتیں۔ مقدس لڑائی (جہاد) کا اعلان کر دیتیں۔ اور اسی کے ساتھ جرمنوں نے خفیہ کارگزار ایجنٹوں کی ایک جماعت کے ذریعہ، لاسلکی پر، ملک کے دوسرے حصہ سے اس کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس کا اصلی مقصد تو ظاہر نہیں کیا گیا لیکن عام طور پر برطانوی فوجی مرکزوں میں خیال کیا جانے لگا کہ اس کا منشاء اس بات کی تشہیر ہے کہ ترک اور جرمن ان تمام کی مدد کے لئے آمادہ ہیں جو ان کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔

جنھوں نے صلیبی لڑائیوں کے حال میں پڑھا ہے کہ مسلمانوں نے یکایک کس طرح مغربی دنیا کو روند ڈالا تھا وہ اس کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جہاد کا یہ منصوبہ مشرق کی کسی دوائے بیہوشی یا برگ حشیش کے زیر اثر دیکھا ہوا کوئی خواب نہ تھا بلکہ ایک اصلی دہشت ناک خطرہ تھا۔

لارنس یہ سب جانتا تھا۔ اب وہ وقت آیا کہ اس کی خاص قابلیت انگلستان اور اتحادیوں کے لئے انتہا درجہ کارآمد ثابت ہو۔

مکہ کا مقدس شہر جہاں ہر سال مسلمان زائر سفر کر کے پہنچتے ہیں شریف مکہ کی محافظت میں تھا۔ شریف کو لارڈ کچنر نے اس بغاوت کے امکانات سمجھائے تھے جو وہ اپنی فوجوں سے اتحادیوں کی امداد میں برپا کر سکتا تھا۔ اور شریف کو یہ بات نہیں بھولی تھی۔ استعارہ کی زبان میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ باڑ پر بیٹھا ہوا بیچینی سے

جنگ کے اتار چڑھاؤ کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ وہ اول تو اتحادیوں کی تائید میں تھا پھر جرمنی اور اس کے معاونوں کا حلیف ہو گیا۔ دشمن کی بڑھی ہوئی فوجی طاقت کے مقابلہ میں خود اس کی اپنی فوجی طاقت اسے بہت حقیر نظر آنے لگی۔

ترکوں کے نئے اقدام نے اس کو خوف زدہ کر دیا۔ اب اس کو کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ ترکوں کو اس عیارانہ خیال سے باز رکھے۔ چاہے اس میں اس کو اپنی سلطنت سے ہاتھ دھونا ہی کیوں نہ پڑے اگرچہ وہ دنیائے اسلام کا امام تھا پھر بھی جانتا تھا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں مقدس جنگ کا صرف ایک ہی انجام ہو سکتا ہے۔ انگریزوں کے فوجی مرکز پر اس نے پیغام بھیجے کہ اب وہ بغاوت کرنے والا ہے۔ ! پھر یا پھر کبھی بھی نہیں۔

یہاں یہ ضروری ہے کہ اس صورت حال کو اس وقت کی روشنی میں دیکھا جائے کہ لارنس نے قاہرہ میں ایک مختصر ماہرین کی جماعت کے سامنے اپنے منصوبے بیان کئے تھے۔ اس خیال کو دل میں لئے کمانڈر ہوگارٹ بحر قلزم کی طرف یہ معلوم کرنے کے لئے روانہ ہو گئے کہ آخر شریف مکہ کا منشا کیا ہے۔ لیکن یہ روانگی بہت بعد از وقت تھی۔ بغاوت شروع ہو چکی تھی۔ اس کا انجام جو کچھ بھی ہو شریف مکہ نے تو علانیہ طور پر اتحادیوں کی رفاقت اختیار کر لی تھی۔

یہ صورت حال تھی کہ پردہ اٹھا۔ لارنس ڈرامائی طور پر بغاوت عرب میں داخل ہو چکا تھا بعض دلچسپ قصے یوں بھی مشہور رہیں کہ اس نے پندرہ روز کی رخصت چاہی اور چونکہ اس کے ہمیشہ کے ساتھی اس سے اکتا گئے تھے اسلئے رخصت فوراً منظور کر لی گئی۔ اس قصہ کے سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی رخصت سے واپس ہی نہ ہوا بلکہ ٹھہرا رہا اور اس طرح اپنی مہم شروع کی۔ یہ قصہ

دلچسپ تو ضرور ہے لیکن بیشتر قصوں کی طرح حقیقت اس سے بھی عجیب تر ہے۔
جو باتیں ممکن الوقوع تھیں ان کا ذکر اس نے اپنے بعض دوستوں سے کیا تھا
چند مہینوں تک وہ باضابطگی اور احتیاط کے ساتھ پردہ کے پیچھے کام کرتا رہا جس کا
منشاء فوجی کارروائیوں کے ذمہ دار بڑے بڑے جرنیلوں کو یہ یقین دلانا تھا کہ
اگر وہ اس کو عربستان بھیج دیں تو مقصد فتح کے حصول میں وہ تھوڑی بہت
مدد کر سکتا ہے۔ ان عہدہ داروں کے یقین میں کچھ نہ کچھ وزن ہوگا تب ہی تو
انھوں نے اس فولاد جیسی نیلی آنکھوں والے ضدی نوجوان کی طرف سے
فکرمند ہونے کے بجائے اس کو اپنے مشن پر روانہ ہونے کی اجازت دیدی۔
عمر رسیدہ ماہروں کو اس "شوقین سپاہی" کے منصوبے میں کوئی بات نظر آئی
ہوگی۔ ارباب اقتدار نے خاص فوجی خدمت سے اس کی تبدیلی اس طرف کر دی
جس کو ایک طرح خفیہ خدمت کا محکمہ کہا جا سکتا ہے۔

اگرچہ وہ عربوں میں توقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن اب وہ اس
مقدس ملک کو جا رہا ہے جس کے دروازے تمام بے دینوں پر بند ہیں۔ یہ "بے دین"
اپنے تصور میں یقین رکھتا تھا کہ یہاں اسے دو امور انجام دینے ہیں۔ پہلا کام ایک
لیڈر کی تلاش تھا۔ پھر اس کو یہ یقین دلانا کہ عرب کے آپس کے لڑنے مرنے والے
قبیلے، اپنی برسوں کی خوں ریز لڑائیوں کو بھول کر آپس میں متحد ہو سکتے ہیں اور
ترکوں کو ملک سے نکال باہر کر سکتے ہیں جنھوں نے اس ملک کو اتنے عرصہ تک لوٹا ہے
ملک پر ترکوں کی گرفت مضبوط تھی۔ ملک کی واحد ریلوے لائن پر انھیں کا قبضہ
تھا۔ اور رائفل کی مار سے بھی کم کم فاصلہ پر ان کی مستحکم چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔
ان کے پاس جدید بندوقیں اور رائفل بھی تھے۔

عربوں کے پاس چند ہی بندوقیں تھیں۔ اور وہ بھی اتنی پرانی کہ پہلی

ہی بار کے چھوٹنے میں ان کے پھوٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ ان کے ہتھیاروں میں پرانی وضع کی بھرمار بندوقیں اور ایسی بندوقیں بھی شامل تھیں جن کو چقماق سے اڑایا جاتا تھا۔ نیزے تھے اور خنجر۔ عرب پیدائشی قزاق تھے۔ لڑائی لڑائی کی خاطر لڑنے کے بجائے لوٹنا۔ چرانا اور آگ لگانا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ جب لڑنے سے تھک جاتے تو عموماً گھر لوٹ جاتے۔ لارنس یہ سب جانتا تھا اس پر بھی اکتوبر ۱۹۱۶ء میں اپنے خوابوں اور ناقابل تسخیر ارادے سے لیس ہو کر وہ عرب کے ساحل کی طرف چل پڑا۔ مدد کا کوئی وعدہ اس سے نہیں کیا گیا تھا۔ سوائے اپنے منصوبہ کے اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

---

(۴)

عربستان کی مہم شروع ہو چکی تھی۔ لارنس سوئیز سے روانہ ہوا کشتی سست رفتاری سے خلیج میں چلنے لگی۔ لارنس پُرفکر انداز میں ان پتھریلے ساحلوں کی طرف دیکھنے لگا جن میں اس کی ابتدائی دنوں کی آوارہ گردی کے مناظر پوشیدہ تھے۔

دو سال قبل وہ عقبہ سے ریگستان سینا کے وسط تک زائرین کے راستہ پر چلتا ہوا پہنچا تھا اسی وقت سے اس ریگستان نے اس کا دل موہ لیا تھا اب وہ پہلی بار مسلمانوں کے مقدس ملک کو جا رہا ہے۔ اس سفر کی ایک غایت سلطنت عرب کا قیام بھی ہے۔

مصر کے ایک ماہر مسٹر رونالڈ اسٹورز جن کو لارنس کے منصوبہ یا خیال کی اطلاع دی گئی تھی لارنس کے شریک سفر تھے۔

کشتی کے ملاح ان عجیب مسافروں کو دیکھکر حیرت کرتے تھے۔ خصوصاً اس شخص کو دیکھکر جو فوجی وردی پہن کر بھی سپاہی نہ معلوم ہوتا تھا۔ انھوں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اپنے ساتھی سے بہت کم گفتگو کرتا ہے۔ اور اکثر اوقات اپنے خیال میں محو رہتا ہے۔

ملاحوں نے پوچھا۔ کہاں جا رہے ہو۔

کسی نے جواب دیا۔ جدّے۔

کس لئے؟

اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اختتام سفر پر بھی وہ نہ سمجھ سکے

کہ اس کے سفر کی غایت کیا تھی۔ بحر قلزم کا یہ سفر نمایاں واقعات سے خالی ہے۔
مسٹر اسٹورز کو حیرت تھی کہ لارنس آخر کرنا کیا چاہتا ہے۔ ان کے لئے یہ بھی مشکل تھا کہ اس کو گفتگو پر آمادہ کر سکیں۔

گرمی بہت شدید تھی۔ اتنی شدید کہ سانس لینا تک دوبھر ہوگیا۔ جب رات آئی تو کچھ سکون ملا۔ اور ممکن ہوا کہ کشتی کے چھوٹے عرشہ پر قدرے سکون کے ساتھ چند قدم چل پھر سکیں۔ ہر روز یہی نقشہ رہتا۔

کشتی اس سمندر کے چکنی تال پر جو طویل لیکن سست رفتار اتار چڑھاؤ کے ساتھ، جلتے ہوئے سورج کے نیچے لہریں لے رہا تھا آہستہ لیکن ہموار رفتار سے دھواں اڑاتی چلی جا رہی تھی۔ اس وقت عرشہ پر کھڑے ہونے یا کسی سلاخ کے باہر جھکنے کی کوشش کرنا محض حماقت تھی اس لئے کہ گرمی کی حدت سے جسم کا گوشت جل اٹھتا۔ دن کے وقت وہ عرشہ گھر کے سایہ کے آگے دو یا تین کمبلوں کی موٹائی کا پردہ ڈال لیا کرتا۔ اور وقت کے گزرنے کے ساتھ جب یہ سایہ بھی ہٹتا جاتا تو وہ خود بھی اس کے ساتھ ہٹنے لگتا۔ اس سے بھی عجیب بات یہ تھی کہ انگریزی نام اور انگریزی یونیفارم کے باوجود لارنس کسی عرب کی طرح پاؤں سمیٹ کر بیٹھنے میں آرام محسوس کرتا۔

ان کے جدے پہنچنے سے ایک دن قبل موسم میں کچھ تغیر رونما ہوا۔ آسمان یکایک سیاہ اور تیرہ و تار حد تک نیلگوں ہوگیا۔ جو طوفان کی آمد کا پیش خیمہ ہے۔

ایک دن تکلیف میں گزرا۔ بدشگون، جھلائی ہوئی ہوا جہاز کے ماتھے پر پانی اڑاتی رہی سمندر میں تموج عظیم تھا جس سے کبھی کبھی پانی کے تھپیڑے کشتی کے عرشہ پر بھی پڑنے لگتے تھے۔

ایک گرج کے ساتھ ہوا کا جھکڑ خلیج پر سے گزر گیا۔ موجیں بلند ہوئیں

اور ان کے ساتھ کشتی بھی ابھری۔ کشتی جب موجوں کے اتار کے ساتھ سطح پر آتی تو اس کا پنکھا لہروں کو ڈھکیل کر آگے بڑھتا ہوا نظر آتا۔ اس ہولناک سمندر میں کشتی پانی کو چیرتی، دشواری کے ساتھ راستہ پیدا کرتی چلی جا رہی تھی سطح آب پر وہ ایسی معلوم ہوتی گویا کتا تیرتا ہوا پانی سے باہر آ رہا ہے۔

طوفان جس تیزی سے آیا تھا اُسی تیزی سے گزر گیا۔ اب وہ پھر خاموش سمندر میں بڑھے جا رہے تھے۔

صبح میں لارنس سلاخوں کے اوپر سے سمندر کو دیکھا کرتا جس پر تیزی سے بلند ہونے والے سورج کی شعاعیں ابھی ابھی پڑنے لگتی تھیں۔ اس پر ایک چوڑی چکلی قوس قزح کا دھوکہ ہوتا جس میں تیل کے چھینٹے آڑے ترچھے نقش و نگار بنے ہوتے۔

کہیں کہیں، گشت لگاتی ہوئی شارک مچھلی کا پر یا سوساروں کی ٹکڑیاں خاموش سطح آب میں لرزش پیدا کر دیتیں۔ سمندر سے روشنی کی زندہ لکیریں نمودار ہوتیں۔ اور آنکھ جھپکنے میں نظر سے غائب ہو جاتیں، قلانچیں مارتی ہوئی مچھلیاں نیچے چھپے ہوئے خطرہ کے ڈر سے بھاگ جاتیں تھیں۔

کسی ایسی ہی صبح میں یہ سادی سیدھی کشتی عہد قدیم کے نارزمنوں Norsenen کے اس بادبانی جہاز سے مشابہ معلوم ہوتی جو نامعلوم مہموں پر کسی خیالی سمندر میں سفر کرتے تھے۔

جب معلوم ہوا کہ جدہ قریب ہے تو مسٹر اسٹورز آگے کی طرف دیکھنے لگے۔ یہ بات انھوں نے لارنس سے بھی کہی لیکن اس اطلاع نے لارنس میں کوئی ہیجان پیدا نہیں کیا۔ اس کے چہرہ کی متانت علی حالہ قائم رہی۔ البتہ اس کی تیز نیلگوں آنکھوں میں چمک تھی۔ پھر وہ بھی بند ہو گئیں۔

دوسرے دن صبح میں جدہ نظر آنے لگا۔ سفید موجیں ان چٹانوں اور ریت کے تودوں پر سر پٹکتی نظر آتی تھیں جو خاص اسی بندرگاہ کے لئے مخصوص ہیں۔ مسافر، کشتی کے کپتان کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے جو کشتی کو سمندر کے آڑے ترچھے دھاروں سے بچاتا ہوا اس چھوٹے سے بندرگاہ پر لنگر انداز کرنے لے آیا تھا۔

لارنس اور اس کا دوست جب ڈونگے میں بیٹھکر ساحل کی طرف روانہ ہوئے تو خلیج کو پار کرتے وقت ڈونگے کی تیز رفتاری سے جو ہوا پیدا ہوتی تھی وہی آسمان سے برستی ہوئی آگ سے تسکین پانے کا ایک ذریعہ تھی۔ لارنس جانتا تھا کہ شمالی عربستان کی گرمی کیسی ہوتی ہے۔ بہتوں کے مقابلہ میں وہ اس سے متاثر بھی بہت کم ہوتا۔ لیکن آج کی کیفیت جداگانہ تھی۔ اسی کے ذکر میں اس نے بعد میں لکھا ہے کہ "اس گرمی سے ہماری زبان بند ہوگئی"۔ اس کا یہ قول عربستان کی مہم کے پہلے دن پر بالکل راست آتا ہے۔ شہر کی گلیوں سے گزرتے ہوئے جب وہ انگریز قونصل کے مکان کو چلے تو بھنی ہوئی ہوا کے ساتھ دیسی بازار سے ملی جلی بو آرہی تھی۔ جدہ عجیب مقام ہے تقریباً تمام گلیاں اس قدر تنگ کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کی چھتوں پر لکڑی کے پل بنادیئے گئے ہیں۔ یہ اس لرزتے ہوئے شہر کی مانند ہے جس کو سقوے سے تراش کر بنایا گیا ہو اور پاؤں کے نیچے ریت اور گرد کی اتنی موٹی تہیں بچھی ہیں کہ چلتے وقت آواز بہت کم پیدا ہوتی ہے۔

زیادہ وقت ضائع نہیں ہوا۔ ایک دوسرا انگریز عہدہ دار کرنل لس جو مشرق سے اپنی واقفیت کی بناء پر ممتاز تھا، لارنس کی پذیرائی کے لئے

جدے میں موجود تھا۔ مختصر تعارف کے بعد لارنس انجان طور پر حالات کے نشو و نما کا منتظر ہو گیا۔

لارنس بادشاہ کے دوسرے لڑکے عبد اللہ سے ملا۔ لیکن عبداللہ اسے پسند نہ آیا۔ اس نے خیال کیا کہ چونکہ یہ بہت ہنسوڑ ہے اس لئے ایسا قائد نہیں بن سکتا جس کی اسے تلاش تھی لیکن جب اس نے لارنس سے کہنا شروع کیا کہ لڑائی میں عربوں پر کیا گزر رہی ہے تو ہنسی اس کے چہرہ سے رخصت ہو گئی۔ ترک برابر امداد حاصل کر رہے تھے۔ اور اندیشہ تھا کہ بہت جلد حملہ کر کے انھیں سمندر میں ڈھکیل دیں گے۔ عرب اپنا تقریباً سارا گولہ بارود پھونک چکے تھے۔ ان کی بندوقیں بیکار تھیں۔ اور غلہ ابھی ان کے پاس اتنی کافی مقدار میں نہ تھی کہ ایک موزوں فوج کو ملک کی حفاظت کے لئے مستعد رکھ سکے۔

کیا انگریز کچھ مدد پہنچا سکتے ہیں؟

لارنس کی اصلی دقت یہی تھی۔ وہ عیسائی افواج سے کیسے کہہ سکتا تھا کہ ایک مسلمان ملک کو بچائیں جس پر ترک مسلط تھے اور جو خود بھی مسلمان تھے۔ یہ ایک اچھا خاصا معمہ تھا۔

لارنس فیصل کی بابت سن چکا تھا۔ فیصل بادشاہ کا بیٹا تھا اور افواج کی کمان کر رہا تھا۔ عیارانہ ترغیب و تحریص کے بعد لارنس نے بادشاہ سے فیصل کے نام ایک خط حاصل کر لیا جو فیصل سے اس کو متعارف کراتا تھا۔

خط سے لیس ہو کر انگریز عہدہ دار رستا ہی رہے تھے کہ شام میں ایک گل کھلا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ (شاہ حجاز کے پاس ایک ٹیلیفون بھی تھا جو جدے سے مکے کو ملاتا تھا)۔

کیا ہز اکسلنسی انگریز عہدہ دار بینڈ سننا پسند کریں گے۔
بینڈ! آپ کس چیز کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔ بینڈ کیا!
اس کے ادھیڑ پن کا کیا اندازہ ہو سکتا تھا۔ ریگستان میں بینڈ کو کس نے سنا ہوگا۔

حقیقت حال اسی وقت بیان کی گئی۔ ترکوں کے گورنر جرنل کے پاس ایک بینڈ تھا۔ عربوں نے دشمن کی سپاہ کے ساتھ بینڈ نوازوں کی ایک جماعت کو بھی گرفتار کر لیا تھا۔ لڑنے والے سپاہی تو قید خانہ بھیج دیئے گئے اور بادشاہ سلامت نے خود کی دل بہلائی کے لئے بینڈ نوازوں کو اپنے پاس رکھ لیا۔

بادشاہ نے گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا۔ جی ہاں۔ بات یہی ہے۔ تو پھر کیا آپ سننا گوارا کریں گے۔

وہ حیران تھے کہ بادشاہ کے محل سے، جو پچاس میل کے فاصلہ پر تھا بینڈ سنا کس طرح جا سکتا ہے۔

بہرحال بادشاہ محض سوالات نہیں پوچھتے۔ وہ تو حکم دیتے ہیں۔
بادشاہ بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے ریسور کو میز پر رکھا۔ اور جب لارنس اور دوسرے لوگ یکے بعد دیگرے کان لگا کر سننے لگے تو انھیں بادشاہ کے بینڈ کی "موسیقی" سنائی دی۔

کسی نے یہ نہیں سمجھا کہ سُر کیا تھا۔ لیکن بینڈ بج رہا تھا۔ بادشاہ سلامت بھی اس سے خوش تھے اور جلیل القدر ممتاز عہدہ داروں کو بھی محظوظ فرما رہے تھے۔

مزید برآں، مزید ضیافت طبع کے خیال سے، بینڈ پچاس میل کے فاصلہ پر جدے بھجوایا گیا تاکہ جدے میں عہدہ دار اس کو سن سکیں اور خود

بادشاہ سلامت اِس عجیب وغریب ٹیلیفون پر اس کی موسیقی کو سن کر محظوظ ہوں
بادشاہ کے لئے یہ ایک نیا کھلونا تھا۔ کوئی یہ نہ سمجھا کہ آخر بینڈ پر بج کیا رہا ہے۔
موسیقی کے عنوانات مقرر تھے۔ ایک تو جرمنوں کا قومی ترانہ تھا۔ اور دوسرا
ترکوں کا قومی ترانہ۔ اِس کے علاوہ کچھ اور جرمن موسیقی تھی۔ دقت یہ تھی کہ بیشتر
موسیقی آدھے سروں میں تھی۔ مثلاً اگر آپ "بادشاہ زندہ باد" کے ترانے کو پورے
سروں میں بجانے کی بجائے نصف سروں میں بجائیں تو آپ کو اس مخلوطہ
کا کچھ ہی اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہر ایک بینڈ نواز "نگران" پر مطلق توجہ نہ کرتا
سبھوں کی بساط بھر یہی کوشش ہوتی کہ ایک دوسرے کو مات کر دیں۔
بینڈ نوازوں کی جماعت کو واپس بھجوا دیا گیا۔

دوسرے دن لارنس جو امیر فیصل کے موسومہ خط سے لیس تھا
رابغ کی چھوٹی سی بندرگاہ سے کشتی کے ذریعہ روانہ ہوگیا۔ رابغ، جدہ سے
اسی میل پر واقع ہے۔ یہاں اس کی ملاقات بادشاہ کے دوسرے لڑکے
شریف علی سے ہوئی۔ اس وقت لارنس بالکل اکیلا تھا۔ اور چونکہ شریف علی
لارنس سے بالکل ناواقف تھا اِس لئے بوڑھے بادشاہ کے احکام پاکر اسکی
حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

انگریز عہدہ دار (لارنس) کو اس نے غور سے دیکھا جس کا سر اسکے
شانے کو لگتا تھا۔ بادشاہ نے خط میں لکھا تھا کہ اس جلیل القدر "انگلیسی"
کے ساتھ محافظ سپاہ کا ایک دستہ کر دیا جائے جو اس کو امیر فیصل تک فی الفور
پہنچا دے۔ یہ پڑھکر اسے دھچکا سا لگا۔ زمانہ جنگ کا تھا۔ اور سمجھ میں نہ آتا تھا
کہ بادشاہ اس عجیب ہیئت کے نوجوان کو اس کے بھائی کے پاس کیوں
بھجوا رہا ہے۔

لارنس سفر پر روانہ ہونے سے قبل ایک رات کے لئے ٹھہرا رہا۔ شریف علی نے اس کے پہننے کو عربوں کا سرپیچ دیا۔ اور اس کے نامانوس یونیفارم کو پوشیدہ رکھنے کے لئے ایک عبا دی۔ خاص اپنے اونٹ پر سوار کرا کے خاص آدمیوں میں سے دو کو رہبر اور محافظ کی حیثیت سے ساتھ کر دیا۔

لارنس نے سکون اور دلجمعی سے یہ سب چیزیں قبول کیں۔ اور تن بہ تقدیر اندرون ملک تین دن کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ دوران سفر میں اس کو صرف اس بات کا خیال آتا رہا کہ وہ انگریز ہونے کے باوجود اس قدیم راستہ پر سفر کر رہا ہے جس پر سفر کر کے مسلمان حاجی مکے پہنچتے ہیں۔ یہ ایک انوکھا خیال تھا۔

ریگستان کے کنارے کنارے پہلے دن کا سفر اکتا دینے اور تھکا دینے والا تھا۔ نیچے صرف ریت ہی ریت تھی۔ لارنس نے اپنے اونٹ کے بازو ایک کھوہ میں سکڑا سکڑا کر رات بسر کر دی۔

دوسرے دن کے سخت سفر میں گرم سورج اس کا چہرہ جھلسا ڈالتا تھا۔ اور گرمی سے اس کی آنکھوں میں درد ہونے لگا تھا۔ اس کو خیال آیا کہ صحرا میں داخل ہونے کے بعد سے یہ وقت اس پر بہت طویل ہے۔ دو سال کی مدت کا بیشتر حصہ اس نے آرام دہ کمروں اور آرام دہ بستروں پر گزارا تھا۔ اور اس اچانک تغیر نے اس کو آیندہ پیش آنے والی مشکلات پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کر دیا۔

فیصل کے کیمپ کو پہنچنے سے پہلے وہ اونٹ کی پیٹھ پر نیند کے مارے اونگھا کرتا۔ لیکن جوں ہی آخری منزل شروع ہوئی ایک اجنبی نمودار ہوا وہ لارنس کے ہمراہ سفر کرتا اور دونوں باتیں کرتے جاتے۔ یہ بے مقصد

اُناپ شناپ گفتگو ہوتی جس کی کوئی غایت نہ تھی۔ یہ گفتگو محض تضیع اوقات کا دوسرا نام تھا۔

نووارد اِس بات کی اِمکانی کوشش کرتا رہا کہ اس عجیب وغریب ذرا سے آدمی سے جو عربی لباس میں لپٹا ہوا تھا، کچھ معلوم کرے۔

اس نے خیال کیا ہوگا کہ اس طرح کا سفر کرنے والا کوئی معمولی شخص نہیں ہو سکتا۔ اس کا اونٹ اونچا، موٹا تازہ، خوش نما، اور اس نسل کا تھا۔ جس پر صرف شہزادے سوار ہوتے ہیں۔ کجاوہ زرق برق چرمی کام کے گدوں سے آراستہ تھا۔ اور اس پر قیمتی پُر تکلف کمبل بچھے ہوئے تھے۔ جن کے کناروں پر بھڑک دار رنگوں کے جھالر لٹکتے تھے۔

نووارد اِتنا قریب آ لگا کہ مسافر کے چہرے کی جھلک اسے نظر آسکتی تھی۔ لیکن لارنس کا سرپوش اس کے چہرہ پر کس کر بندھا ہوا تھا۔ جس میں سے صرف آنکھیں نظر آ سکتی تھیں۔ یہ بھی اِس طرح ڈھکی ہوئی تھیں جس طرح شکرے کی آنکھوں پر چمڑے کی ٹوپی چڑھا دی جاتی ہے۔

لیکن اس کے استفسارات! وہ لارنس سے مصر کی عربی میں گفتگو کر رہا تھا۔ اور لارنس بھی اسی زبان میں جواب دیتا جاتا تھا۔ یکایک اس نے شمالی شام کے لہجہ میں گفتگو شروع کردی۔ لارنس نے بھی ہلکی سی ستایش کے ساتھ اسی لہجہ میں جواب دینے شروع کئے۔ یہ گفتگو دو شخصوں کی لڑائی میں ایک کے وار اور دوسرے کے بچاؤ سے مشابہ تھی۔ فرق صرف اِتنا تھا کہ نووارد اپنے سوالات اس طرح کرتا گویا وہ فوج میں استعمال ہونے والی بڑی تلوار سے حملہ کر رہا ہے۔ لیکن لارنس کے جوابات تیزی اور ہوشیاری میں پیوست ہو جانے والے خنجر کا حکم رکھتے تھے۔

متجسس نے جس کا نام خلالی تھا، گفت گو ختم کر دی۔ اس نے خوش آئند الفاظ میں لارنس کو خدا حافظ کہا۔ اور جب لارنس اور اس کے ساتھی فیصل کے فرودگاہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مستفسر ترکوں کا تنخواہ یاب جاسوس تھا۔ اس لئے لارنس کی احتیاط ہر طرح بجا اور درست ثابت ہوئی۔

ہمیشہ بھنبھناتے ہوئے کیڑوں اور خصوصاً مچھروں سے محفوظ رہنے کے لئے چہرہ پر ململ کا نقاب اوڑھ کر رات بھر کے لئے لارنس ستا لیتا۔ اور صبح کی ابتدائی ٹھنڈی گھڑیوں میں راس وادی حمرا کی طرف معہ اپنے ساتھیوں کے چل پڑا۔ (عربی لفظ وادی Vally کا مترادف ہے۔)

جب وہ ایک ٹیلہ کی چوٹی پر پہنچا تو اسے پہلی بار لڑنے والے عربوں کا ایک بہت بڑا مجمع نظر آیا۔

عرب ایک نخلستان میں اتر پڑے تھے۔ اس لئے کہ درختوں اور تازہ چمکدار دوب میں ان آنکھوں کے لئے تسکین تھی جو تین دن تک صحرا کے سفر میں تابش اور چمک سے بچنے کی ناکام کوشش کرتی رہی تھیں۔ درختوں کے نیچے اِدھر اُدھر سفید بھورے اور کالے رنگ کے خیمے کھڑے تھے۔ اِن خیموں سے دھویں کے پتلے بل کھاتے ستون ہوا میں بلند ہو رہے تھے۔ آگ کے آگے عرب اکڑوں بیٹھے تھے۔ اور جب یہ تینوں وہاں سے گزرے تو وہ سروقد اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔ دونوں رہبروں سے تو وہ مانوس تھے لیکن ان کے درمیان ایک پُراسرار شکل کو انھوں نے بڑے تعجب سے دیکھا۔ اس کی عبا اور قیمتی کجاوہ والے اونٹ سے یقین ہوتا تھا کہ وہ ملک کا کوئی بڑا آدمی ہوگا۔

بالآخر لارنس کو اپنے سفر میں ایک مقصد نظر آنے لگا۔ اِس خوشنما منظر نے

جو اپنی ہل چل اور وحشیانہ شان و شکوہ کے اعتبار سے دل آویز تھا اس میں ہیجان سا پیدا کر دیا اور وہ بادشاہ کے بڑے لڑکے فیصل سے ملنے کا منتظر ہو گیا۔

ایک طویل، پست اور پھیلی ہوئی چھت والے مکان کے آگے جب وہ اترا ہے تو اسے ایک محافظ نظر آیا جس کے کندھے پر چاندی کے قبضے والی تلوار لٹک رہی تھی۔ ایک اور محافظ نے اس سے سرگوشی کی اور لارنس کو آگے بڑھنے کی اجازت مل گئی۔

قصر شاہی کے اندرونی حصہ میں وہ عربی شہزادہ کھڑا تھا جس سے لارنس ملنا چاہتا تھا اور جس کے متعلق اس نے بعد میں لکھا ہے۔

"پہلی ہی نظر میں میں بھانپ گیا کہ یہ وہ لیڈر رہے جو بغاوت عرب میں چار چاند لگا دیگا۔ فیصل بہت اونچا، ستون نما، اور چھریرے بدن کا تھا۔ سفید رنگ کی لمبی ریشمی خلعت جسم پر تھی۔ اور سر پر بھورے رنگ کا سر پیچ شوخ نارنجی اور سنہری ڈوریوں سے بندھا ہوا تھا اس کی سیاہ ڈاڑھی اور بے رنگ چہرہ مثل نقاب کے تھے۔ اس کے ہاتھ خنجر کے اوپر آ کر ایک دوسرے سے ملتے تھے۔

(دانائی کے سات ستون)

شہزادہ اور باہمت نوجوان انگریز نے نہایت مہذب پیرائے میں ایک دوسرے کو مبارک سلامت کہا۔ جس کے بعد فیصل، لارنس کو اپنے اندرونی کمرہ میں لے گیا۔ کمرہ کی دیواروں کے اطراف کئی آدمی چپ چاپ پالتی سمیٹے بیٹھے تھے۔ ان سبھوں نے تیز تیز نظروں سے اس شخص کو

دیکھنا شروع کیا جو ان کے شہزادے سے ملنے کو بھجوایا گیا تھا۔ اور جس کی سفارش خود بادشاہ سلامت نے کی تھی۔

فیصل نے نیچی اور دھیمی آواز میں کہا" خدا کی عنایت تمہارے شامل حال رہے۔ آپ کا یہ سفر تو نہایت آسانی سے طے ہوا ہوگا۔

"سفر میں گرمی بہت تھی جناب شہزادہ صاحب! اور خصوصاً اس شخص کے لئے جو اس سرزمین پر بالکل نو وارد ہو۔

فیصل نے بڑے ستائشی لہجہ میں جواب دیا" اجنبی ہوتے ہوئے بھی تم نے بہت تیزی سے سفر طے کر ڈالا"

ایک لمحہ تک خاموشی رہی جس کے بعد فیصل نے پوچھا" کیا تم یہیں رہنا چاہتے ہو۔ لارنس نظر جما کر شہزادہ کو دیکھتا رہا اور پھر نرم پُر احتیاط لہجہ میں جواب دیا۔

"بہت مناسب۔ لیکن دمشق تو یہاں سے بہت فاصلہ پر ہے"

یہ کہنا بہت جرأت کا کام تھا۔ اسے کمرہ میں بے چینی کی حالت نظر آنے لگی۔

وہ سمجھ گیا کہ اس کا یہ کہنا گویا بجلی کا کڑاکا تھا۔ ممکن ہے اس کو وہ اپنی جنگجویانہ قوت کی توہین پر محمول کریں یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے اس کہنے کا حسب دلخواہ اثر پیدا ہو۔ یعنی وہ اپنی منزل مقصود کو دیکھنے لگیں جس کے ساتھ ان کی ساری توقعات اور مساعی وابستہ ہونی چاہئیں۔

یہ ایک منٹ بھی لارنس پر بہت طویل گزرا۔ وہ ان کے درمیان

بالکل اجنبی تھا یعنی صرف ایک "بے دین" انگریز۔

ایک ایسے ملک میں جہاں موت و حیات بہت تیزی سے وقوع پذیر ہوتے ہوں، کوئی سفاک اس کے قلب میں خنجر بھونک کر اس کی تمام خیال آرائیوں کا خاتمہ کرسکتا تھا۔

لارنس نے اپنی نظریں فیصل پر جمائیں۔ اور بالآخر شہزادہ نے سر اٹھایا اور لارنس کے متین اور مسکراہٹ سے خالی چہرہ کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے جواب دیا۔

جی ہاں دمشق بہت دور تو ہے۔ لیکن بحمداللہ ترک اس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یہ پُرخطر لمحہ بھی گزر گیا۔ اور لارنس کی سانس صفائی سے چلنے لگی۔ وہ اپنی پہلی دلیل پیش کرچکا تھا۔ اپنا پہلا وار چلا چکا تھا۔ اگرچہ سلطنت کے خواب کے اعتبار سے یہ صرف لفظی وار تھا۔

ایک آدھ دن تک فیصل اور اس کے دو یا تین اکابر شیوخ لارنس کو سمجھاتے رہے کہ ان کی بغاوت کا کیا انجام ہوا تھا۔ اور رفتہ رفتہ لارنس کے دل میں اس کا نقشہ پوری طرح بیٹھ گیا کہ آگے کیا پیش آنے والا ہے۔

ایک بات بہت ہی نمایاں تھی۔ ترکوں کے جدید اسلحہ کے مقابلہ میں عرب اپنے بہادروں کی جانیں ضائع کر رہے تھے۔ بغیر کسی تیاری کے بغاوت شروع ہو چکی تھی۔ عرب اپنے قدیم اسلحے سے لڑ رہے تھے ان کی بہت ساری بندوقیں پرانی اور بھرمار وضع کی تھیں ان کی مار کا فاصلہ بہت ہی محدود تھا۔

مزید برآں وہ گویا خالی پیٹ لڑ رہے تھے اور اس سے بھی

زیادہ خرابی یہ تھی کہ انھیں اس کا خیال ہی نہ تھا کہ وہ آخر کیوں لڑ رہے ہیں۔

ایک مصری توپ خانہ انھیں دیدیا گیا تھا جس کی بندوقیں بیس سال کی پرانی تھیں۔ ان بندوقوں کی مار ایک میل سے کچھ ہی زائد فاصلہ تک موثر ہو سکتی تھی۔ ترکوں کے پاس جدید جنگی بندوقیں اور دور انداز توپیں تھیں جو مصری توپ خانہ کی ساری آگ کو بجھا دے سکتی تھیں۔

آدمی تھک گئے تھے۔ اور نہ جانتے تھے کہ آیندہ کیا ہوگا۔ آرام کی خاطر وہ وادی حمرا میں فروکش تھے۔ اور مشیت ایزدی کے دیکھنے کے منتظر تھے۔

لارنس نے جب یہ ساری باتیں سنیں تو اس کا آدھا خیال اسمعیل کی طرف لگا ہوا تھا۔ وہ ان عربوں کی لڑنے کی تمنا اور ترکوں کے زبردست توپ خانہ سے ان کے واقعی خوف میں موازنہ کر رہا تھا۔ بندوقیں ایسی اچھی ہونی چاہیں جیسی کہ ترکوں کے پاس ہیں۔ یہ کم از کم انھیں جراءت میں ترکوں کے مساوی کر سکتی ہیں۔ آدمیوں کو متحد رکھنا بھی ضروری تھا۔

عربوں کے لڑنے کا یہ طریقہ تھا کہ وہ خاندان کے خاندان مل کر لڑا کرتے تھے۔ باپ اور بیٹے باری باری سے ایک ہی بندوق سے کام لیتے۔ اس کے بعد جب وہ کچھ تھک جاتے تو چند روز کے لئے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ اس طرح فیصل کی فوج مسلسل بدلتی رہتی تھی۔

ان سے کہا گیا کہ بادشاہ ہر قبیلہ سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے پرانے جھگڑے بھول جائے اور متحد ہو کر ایک دشمن یعنی ترکوں کے خلاف لڑے۔

جب تک سونا اور غذا باقی رہے لڑنے اور لوٹنے کی یہ اپیل ان میں سے بہت سوں کو فیصل کی فوج میں جائے رکھی۔ لیکن اب سونا اور غذا دونوں بہت تیزی سے ختم ہوتے جاتے تھے۔

اگر یہ ممکن ہوتا کہ ترکوں کی کسی فوجی چوکی پر یکایک حملہ کر کے ان کا خاتمہ کر دیں اور پھر پہاڑوں میں روپوش ہو جائیں، جانوں کا نقصان کم ہو، اور خرچ کے لئے کچھ مالی منفعت حاصل ہو تو عرب ان شرائط پر لڑنے کے لیے ہمیشہ آمادہ ہو سکتے تھے۔

لیکن ترک عموماً ہتیار بند قلعوں اور شہروں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے زبردست گولے عربوں کو بدحواس کئے دیتے تھے۔ عرب سمجھتے تھے کہ جس بندوق سے جتنی زیادہ آواز ہو اتنا ہی زیادہ نقصان وہ پہنچا سکتی ہے۔ اگر ان کے پاس ترکوں جیسی گرجنے والی، دیواروں میں بھنبھاکے پیدا کرنے اور آدمیوں کی صفیں توڑ دینے والی بندوقیں ہوتیں تو وہ حملہ کر کے دشمن کو سطح زمین سے مٹا دیتے۔ لیکن اسوقت تک جب تک کہ بندوقیں نہ فراہم ہو جائیں وہ صرف توقف کرتے رہیں گے۔

توپیں، اچھے رائفل، غذا اور سونا ان سب کی فوری ضرورت تھی اور لارنس جانتا تھا کہ اس انبوہ کو ——— یہ دراصل انبوہ ہی تھا ——— ایسی فوجی قوت بنانے کی جو سخت پیہم مقابلہ کر سکے، موہوم توقع اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ ان کے لئے یہ چیزیں فراہم کر دی جائیں۔

اس کے سامنے دنیا کا سب سے مشکل ترین کام تھا یعنی لوگوں

کو کھلاڑیوں کی جماعت کی طرح کھیلنے پر مائل کرنا۔ فٹ بال کے کھیل کے متعلق یہ بات بہت مشہور ہے کہ اچھی تربیت یافتہ ٹیم ان کھلاڑیوں کے مقابلہ میں ضرور کامیاب ہوتی ہے جو کھیل اپنے طور پر کھیلنا چاہتے ہوں۔ اور دوسروں کی مدد کے بغیر اور دوسروں کی مدد کو ٹھکرا کر خود ہی بازی جیتنے کی کوشش کرتے ہوں۔

اس معاملہ میں ترک کھلاڑیوں کی تربیت یافتہ ٹیم کے مانند تھے۔ اور جنگ کی اس منزل پر ان کا کام صرف یہ تھا کہ اپنی مقررہ جگہ پر کھڑے رہیں اور حریف کو بازی جیتنے سے روکے رہیں۔ اس وقت ان کا یہ کام بہت آسان تھا۔

لارنس اس مہم کا نقشہ ہی بدل دینا چاہتا تھا۔ یہ کھیل کے وقفہ کا وقت تھا۔ اور کھلاڑیوں کی دونوں جماعتیں دم لے رہی تھیں۔ وہ اگر عربوں سے تبادلہ خیال کرتا، اور تربیت دیکر انھیں "ٹیم" بنا لیتا تو ان کے جیت جانے کا ہر ممکنہ موقع تھا۔

ارادہ کر لینے کے بعد لارنس اپنے اقدام میں توقف نہیں کرتا تھا۔ جب وہ ساحل کی طرف لوٹا تو Yanob بھی گیا جو انتہائی شمال میں واقع ہے۔ وہ وہاں اس وقت تک ٹھہرا رہا جب تک کہ جدے پہنچنے کے لئے کشتی کا انتظام نہ ہو گیا۔ وہ مصر واپس ہونا چاہتا تھا تاکہ فوجی عہدہ داروں سے تبادلہ خیال کر سکے اور بغاوت عرب کے امکانات سمجھانے کے لئے انھیں اپنے ساتھ لا سکے۔

جدے میں اس کو بخت و اتفاق کا پہلا کرشمہ نظر آیا۔ امیر البحر ویمزے اپنی کشتی Euralyus لئے اس بندرگاہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

امیر البحر بغاوت میں عملی حصہ لے چکے تھے۔ انھوں نے ترکوں پر بمباری کی تھی اور جہاں تک ممکن ہو سکا، عربوں کو ان کے ہتیائے ہوئے علاقوں پر مسلط رہنے میں مدد دینے کے لئے ساحل پر فوجیں اتاری تھیں۔

لارنس کو ایک ہمدرد سننے والا جو ملا تو اس نے اپنے سارے انکشافات اور منصوبے امیر البحر سے بیان کئے۔ اور گفتگو کے بعد اپنے عزم میں تقویت محسوس کی۔

بحیرۂ قلزم میں سوڈان کا رخ قطع کرتا ہوا لارنس ریجنالڈ وینگیٹ گورنر سوڈان سے ملنے کے لئے سیدھے خرطوم جا پہنچا۔ اور اپنے امکانات کی طرف گورنر کو رغبت دلائی۔ اور جب وہ دریائے نیل کے جنوب میں قاہرہ کے سفر پر روانہ ہوا تو اس نے کچھ ایسا محسوس کیا کہ ابتدا تو خوب ہوئی۔ وہ سمجھا ہوا تھا کہ کس چیز کی کمی ہے۔ اور بالکل قریب کے واقعی وقیع جرنیل سے کہہ چکا تھا کہ مدد کس طرح پہنچائی جا سکتی ہے۔ فٹ بال کی تمثیل کو جاری رکھتے ہوئے کہا جائے گا کہ اس نے اپنی حیثیت اس تربیت دینے والے کی سی محسوس کی جو یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ اس کے لوگ فرسخ کے پائین میں کیوں ہیں۔

اب جب کہ اس کمزور پہلو کو وہ سمجھ چکا تو اس نے منتظمین (یعنی متعلقہ اشخاص) سے کہدیا کہ کس طرح ٹیم کو اس قابل بنایا جا سکتا ہے کہ وہ بازی جیت جائے۔ اس کے بعد اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنا نقطۂ نظر ثابت کر چکا ہے۔ اسی پر اس کے کام کا اختتام تھا۔

لیکن مصر میں جنرل ارشاف کا خیال کچھ اور تھا۔ انھوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ لارنس اپنے پہلے مشکل اقدام میں اس خوبی سے عہدہ برا ہو چکا ہے

کہ کاروبار کو چالو رکھنے کی غرض سے واپس بھیجنے کے لئے بہترین شخص ثابت ہوگا اس نے اپنے جرنیل کے آگے ہر طرح کی معذرتیں پیش کیں جس کا ایک ہی جواب تھا کہ وہ سپاہی نہیں ہے۔ اور سپہ گری کے فن کو پسند نہیں کرتا۔ یہ تو اس کے طالب علمی کے دور کا پرانا اعتراض تھا۔ مدرسہ میں بھی کام کرنے ہوتے اور وہ ان کو پورا کر دیتا اس پر بھی وہ مدرسہ کو ناپسند ہی کرتا رہا۔ اب وہ فوج میں تھا۔ اب بھی بعض امور اس کو انجام دینے ہوتے۔ اگر انھیں صرف 'کرنا' ہی ہوتا تو اس حد تک تو ٹھیک تھا۔ لیکن وہ نہایت واضح طور پر ان کے ذہن نشین کرا دینا چاہتا تھا کہ وہ فوج کو ناپسند کرتا ہے۔

جرنیل کلے ٹن Clayton نے سب باتیں سنیں لیکن سب کو مسترد کر دیا۔ حکم ملا فیصل کے پاس جاؤ۔ اور اپنا کام جاری رکھو۔ وہیں تمہاری ضرورت ہے۔ جب لارنس Yenob ینوب واپس ہوا تو ہر چیز انتشار اور پراگندگی کا شکار تھی۔ ترک چھاؤنی پر حملہ کرنے ہی والے تھے۔ اور فیصل معہ اپنے عربوں کے اس کی محافظت کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔

شہزادہ اور طالب علم پھر سے ملے۔ اور اس دفعہ لارنس کا خوب خیر مقدم ہوا۔ فیصل نے اس سے ترکوں کی تخویف کا حال بیان کیا۔ اور جب اس نے یہ بیان کیا کہ کس طرح جنگ بوئر کے زمانہ کی صرف دو پرانی بندوقوں کی مدد سے (جو مصر سے، استعمال سے زیادہ نمائش کے لئے بھجوائی گئی تھیں) سڑک پر قبضہ باقی رکھا گیا تو لارنس ہنس پڑا۔

بعض عرب دہشت زدہ سے ہو گئے تھے۔ اور پسپا ہونے لگے تھے۔ اور جب فیصل نے اِن عربوں کے قائد سے پوچھا کہ وہ کیوں واپس چلے آئے

تو اس نے بڑی متانت سے جواب دیا۔

"ہم لڑائی سے تھک گئے تھے۔ اور پیاسے تھے۔ اس لئے قہوہ کی ایک پیالی بنانے کے لئے ٹھہر گئے۔"

ترکوں کی تخویف و تہدید ختم ہو چکی تھی۔ اور ۱۹۱۶ء کے باقی دن لارنس نے بندرگاہ ینوب Yenob میں کشتی Suba کے عرشہ پر سونے میں گزار دیئے۔

بحری بیڑے نے اس اندیشہ ناک ساحل پر چند کشتیاں بھجوائی تھیں جس کے ساتھ پانچ جنگی جہازوں کی "کھوج روشنی" Search Light بھی تھی۔ جس نے ترکوں کے اقدام کو ناممکن بنا دیا۔ وہ خوف زدہ ہو گئے اور رک گئے۔

(۵)

لارنس جو اب فوجی کارروائیوں کا مرکز بن چکا تھا تن دہی سے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس نے فیصل سے کہا تھا کہ "دمشق تو بہت فاصلہ پر ہے"۔ اسی مقولہ کو اس نے اپنا ہادی بنایا اور اپنے اصلی خاکے تیار کرنے لگا۔

مدینہ، اندرون ملک، ینبوع سے جانب مشرق ایک سو میل کے فاصلہ پر تھا جہاں سے شروع ہو کر سیدھے دمشق تک ریل جانے والی تھی۔ ترکوں کو خاموش رکھنے کے لئے فیصل کے بھائی کی فوجی چھاونی مدینہ سے بالکل قریب تھی۔ ساحل سے دو سو میل جانب شمال ینبوع اور خلیج عقبہ کے درمیان وجہ کی آخری بندرگاہ واقع تھی۔ اور مدینہ اور وجہ میں ترکوں کے موجود ہونے سے عرب دو طرف سے زد میں تھے۔ اگر لارنس مدینہ میں سکون قایم رکھکر وجہ کی طرف متوجہ ہو سکتا تو اس کا یہ عمل ایک بڑے اقدام کا مترادف ہو سکتا تھا۔

لارنس ان دنوں پر تکلف عربی لباس میں ملبوس رہتا۔ وہ پاجامہ نما

پتلون پہنتا جس پر بہت ہی ملبی قمیص پڑی رہتی۔ یہ دونوں خالص ریشمی ہوتے اس کی عبا کے کناروں پر خوبصورت زردوزی کا کام ہوتا۔ اس کا کمربند سونے کا ہوتا۔ کمربند میں ایک سنہری نیام میں رکھا ہوا ایک خمیدہ پیش قبض ہوتا۔ یہ پیش قبض بادشاہ حسین کی طرف سے اس کو بطور تحفہ کے ملا تھا۔ اور جو اس کو شہزادہ کا مرتبہ عطا کرتا تھا۔

اس کا جیفہ یا سرپیچ ریشمی چوکور وضع کا ہوتا جس کو پیشانی پر سے پیچھے موڑ دیا جاتا اور رسی کی مدد سے اپنی جگہ پر قائم رکھا جاتا۔ رسی بھی خالص ریشمی دھاگے سے بٹی ہوتی جس پر خالص سونے کے تار لپیٹ دیئے جاتے ان سب کی مجموعی قیمت بہت زیادہ ہوتی۔ سر پہ باندھنے کی اچھی ڈوریاں بازار میں انگریزی سکہ کے دس شلنگ یا ایک پونڈ میں مل سکتی ہیں۔ لیکن ان ڈوریوں کی قیمت کم از کم ۵۰ پونڈ تک پہنچتی تھی۔ ان تمام لوازمات کی تکمیل ایک خوبصورت چپل سے ہوتی تھی۔ اپنی ساری ظاہری وضع قطع میں وہ عین مین شہزادہ دکھائی دیتا تھا۔ اور ریگستان کے سیدھے سادے شیوخ سے اس کا شاندار برتاؤ گویا نصف جنگ کے جیتنے کے مساوی تھا۔

ابتدا ہی سے وہ سمجھ گیا تھا کہ بغاوت کے متعلق عربوں کے پراسرار تصور سے پورا پورا فایدہ اٹھانا اس پر لازم ہے۔

اس کے عرب تسلیم کئے جانے میں ایک دشواری یہ تھی کہ وہ بہت پستہ قد تھا اور اس کی رنگت بہت صاف تھی۔ لیکن اسکی نیلی آنکھیں تو بہرصورت اس کا پردہ فاش کر دیتیں۔ اس کی ہر چیز سے فوراً شبہ پیدا ہوتا۔ جس کے سبب وہ اور بھی پراسرار ہو گیا۔

تمام ملک عرب میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ ایک عجیب و غریب پراسرار شخص عربوں کو فتح و نصرت کی منزل تک پہنچائے گا۔ اور جو شہزادہ فیصل کا بھائی ہے۔ یہ شخص عربوں میں واجب التعظیم مانا جانے لگا اور ہمیشہ اپنی سفید عبا اور سنہری سرپیچ سے شناخت کیا جاتا تھا۔

لیکن لارنس اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ شجاعت کو عرب ہمیشہ اہمیت دیتے آئے ہیں۔ لارنس نے بھی اپنی شجاعت کا نقش بٹھا دیا۔ اور ان پر ثابت کر دیا کہ اونٹ کی سواری میں وہ ان کا ہمسر ہے۔ گرمی یا کسی اور آزمایش کی سختی برداشت کرنے میں ان کے اچھوں سے ہمسری کر سکتا ہے۔ ضرورت پیش آنے پر ان ہی کی طرح جان بازی سے لڑنے میں بھی دریغ نہیں۔ ان کے ہتھیار انھیں کی طرح پھرتی سے اِستعمال کر سکتا ہے۔ بعض صورتوں میں تو اس نے خود کو عربوں سے برتر ثابت کر دکھایا۔ اور عرب اپنی سادہ دلی سے ان سب باتوں کو جادو کا کرشمہ سمجھنے لگے۔

جسمانی ساخت میں عربوں کے معیار کے لحاظ سے وہ گویا کسی انسان کا اختصار تھا جو لڑنے اور سواری کرنے کا مجسم جذبہ تھا۔ وہ ان کی زبان میں گفتگو کرتا اور ان کے طور طریق سے واقف تھا۔ وہ ان ہی میں مل جل کر یا انھیں کی طرح زندگی بسر کرتا۔ لیکن ان کے درمیان اس کا ناگہانی ورود ایک ایسا راز سربستہ تھا کہ جب سے لارنس نے تبدیل وضع کر کے ان کا لباس پہن لیا وہ ان میں بُت بن بیٹھا۔ اور پوجنے، پیروی کرنے اور اپنی جان نثار کر دینے کے قابل شخص سمجھا جانے لگا۔

لارنس نے ان کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ وجہ کی طرف کوچ کرنے پر اتفاق ہوگیا۔ اور جنوری ۱۹۱۷ء کے ابتدائی چند دن اس اور اس اور نا مطبوع ریگستانی ساحل کی طرف حمل و نقل کی تیاری میں صرف ہوگئے۔ شمال کی جانب اس پہلے کوچ میں لارنس کو بعض واقعات کی طرف اشارہ ملتا تھا فیصل کے ساتھ عربوں کے پیش پیش چلتے وقت اس نے پیچھے پلٹ کر جو ایک نگاہ ڈالی تو یہ منظر اس کو Arabian Nights کے عین مشابہ نظر آیا۔ وہ رنگ برنگ کے جبھوں کی شکل میں تھے۔ تمام اونٹ زرق برق کجاووں سے سجے، شیخی سے اکڑتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ اور اس "ہنگامۂ رنگ" سے جو مسلسل آواز پیدا ہو رہی تھی وہ موجوں کے چٹانوں سے ٹکرانے کے مشابہ تھی۔ نقاروں کی آواز گویا کوچ کی رفتار کا تعین کر رہی تھی۔

ٹ ٹ ٹم ٹم ٹم ٹ ٹ ٹم ٹم ٹم کی آوازیں آنے لگیں۔ گرد و غبار میں سواروں کے سر ناچتے دکھائی دینے لگے جو اتنے رنگین تھے کہ لالہ کا ایک گڈ مڈ کھیت معلوم ہوتے تھے۔

نغمہ و سرود کی لہریں بار بار فوج کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اور درمیانی حصہ میں نیچے اوپر سبک خرامی سے چلنے لگیں۔ اونٹوں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ اور جب عربوں نے اپنے قرمزی جھنڈے ہوا میں بلند کر دیئے تو یہی نغمے بڑھ کر فتح کا ہمہمہ بن گئے۔

کوچ کی ابتدا تو بہت مطمئن طریقہ پر ہوئی تھی۔ لیکن اس نے آگے کی طرف غور سے دیکھا تو دو سوار آتے نظر آئے۔ اس پر اسے حیرت ہوئی ایک تو عرب تھا لیکن دوسرا اجنبی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن وہ قریب تر آیا تو

لارنس اس کو پہچان کر بہت خوش ہوا کہ وہ اس کا پرانے وقتوں کا افسر کرنل نیو کامب تھا۔

کرنل نیو کامب گھوڑے سے اتر کر اونٹ پر آ گئے۔ دونوں انگریز ایک دوسرے کی صحبت میں خوش خوش آگے بڑھے چلے جاتے تھے۔ یہ ملاقات بہت برمحل تھی اس لئے کہ راستہ دشوار گزار ہو چلا تھا۔ سڑک سے عرب ناواقف تھے۔ اور باولیوں اور غذا کی طرف سے بھی کوئی تیقن نہ تھا۔

دوسرے دن صبح میں موسم کی پہلی بارش خوش آیند تسکین کا باعث بنی۔ اور فوج نے بھی (جو مقامی قبیلوں کی شرکت سے بہت بڑھ گئی تھی) تازگی محسوس کی۔ اونٹ سوار پیادوں سے آملے۔ اور ادھر اُدھر گھوڑے سواروں کی بھی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنی ہوئی تھیں۔ اکثر لوگ عربی عبا اور قمیص پہنے ہوئے تھے۔ البتہ جن کو باترتیب فوج سے تعلق تھا وہ خاکی چست کوٹ اور سواری کی برجس میں ملبوس تھے۔ صرف سر کا لباس ایسا تھا جو سب میں مشترک تھا۔

اس عجیب دغریب فوج کے اُس دستہ میں جو بیس سال کی پرانی نمائشی بندوقوں کا انچارج تھا ایک شخص ایسا بھی تھا جو سمور کے کوٹ میں پٹا ہوا تھا۔ یہ کوٹ اس نے ایک جرمن عہدہ دار سے لیا تھا۔ اس کو پہننے کی "عزت" کے بدلے میں اسے اپنے آرام کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہوگی۔ اس لئے کہ چھاؤں میں بھی اوسط درجہ حرارت ۱۰۰ درجہ تھی۔

پوری فوج ایک ساتھ متحد ہو کر ہموار رفتار سے بڑھی چلی جاتی تھی۔ البتہ اطراف میں بعض وحشی، چھپکلیوں اور چڑیوں کے تعاقب میں ادھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ اور ان کو لکڑیوں سے مارنے کی کوشش کرتے

جاتے تھے۔ کرنل نیوکامب لارنس سے علیحدہ ہو کر اپنی دوسری مہم پر روانہ ہوگئے۔

شام میں جب پڑاؤ ڈالا گیا تو تقریباً ساری فوج نے اونٹوں کے ساتھ مل کر غسل کیا۔ یہ ایک خوش و خرم پرشور مجمع تھا۔ جو کسی اور چیز کی بہ نسبت مدرسہ کے لڑکوں کے تفریحی سفر سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتا تھا۔

ساحل کی طرف کوچ کا نتیجہ لارنس کے حسب دل خواہ پیدا ہو رہا تھا اس سے پہلے ملک نے کبھی ایسی فوج نہیں دیکھی تھی۔

اکثر یہی سوال کیا جاتا کہ "یہ کیسا مجمع ہے۔"

بڑے فخر سے اسی وقت جواب دیا جاتا کہ یہ فیصل اور اس کے آدمی ہیں۔ اور وجہ پر دھاوا کرنے جا رہے ہیں۔

اس طرح خبریں پھیلتی گئیں۔ اور آدمیوں کے جوش و خروش نے سفر کی ضمنی مصیبتوں کو بھلا دیا۔ پانی ضرور موجود تھا۔ لیکن ہزاروں اونٹوں اور انسانوں کے لئے ناکافی تھا۔ غذا بھی موجود تھی لیکن اتنی کافی مقدار میں نہیں کہ سب شکم سیر ہو کر کھا سکیں۔ جہاں تہاں آدمی اور جانور سفر کی صعوبت سے عاجز آ کر رہ جاتے ہیں۔ کسی اور چیز کی بہ نسبت اکثر اموات پیاس کی شدت سے واقع ہونے لگیں۔

لیکن اس طاقتور مجمع میں ایک مقصد پیدا ہو چکا تھا۔

ریگستان کے سیدھے سادے عربوں کو کچھ ایسا محسوس ہوا کہ ساری دنیا حرکت کر رہی ہے اور ترکوں کے خلاف حرکت کر رہی ہے۔

ہر منزل پر اِدھر اُدھر بھٹکے ہوئے فوج میں آ ملتے۔ ہر شیخ اپنے پیروؤں کو ساتھ لاتا۔ اور لارنس اور فیصل سے وفاداری کا حلف اٹھاتا۔

کوچ کی رفتار میں کثرت تعداد کے سبب سستی آگئی۔ اور شمال کی سرد ہوا کے ذریعہ عرب جاسوسوں نے بندوقوں کی آواز سنی۔

کوچ کی رفتار بہر صورت تیز نہیں کی جا سکتی تھی۔ اور بالآخر جب وجھہ نظر آنے لگا تو ہارڈنگ نامی جہاز نے اشارہ کیا کہ ملاحوں اور عربوں کی متحدہ جماعت نے اس کو فتح کر لیا ہے۔

جنگی جہازوں کے بیڑے کے اس نمایاں کام پر حیرت تھی۔ لارنس جہاز پر گیا۔ اور کپتان نے اسے بتایا کہ وجھہ کس طرح فتح کیا گیا۔

کپتان بائل نے خندۂ دنداں نما کے ساتھ سارا قصہ کہہ سنایا۔ نظام الاوقات کی پوری پابندی کی گئی تھی اس لئے کہ شہر میں وہ ترکوں کو گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ ملاحوں، جہاز رانوں، کشتی رانوں کی جماعت کے علاوہ کپتان بائل کے ساتھ پانسو عرب بھی کشتی میں سوار تھے اس تیاری کے ساتھ کپتان بائل نے وجھہ پر بندوقوں سے شدید آگ برسانی شروع کی ساحل پر اترنے والی جماعت شہر میں گھس پڑی۔ اور اس کو دشمن سے صاف کر دیا۔ لڑائی دست بدست اور خشم ناک تھی۔ صرف ایک افسوس ناک حادثہ وقوع پذیر ہوا۔ شاہی بحری و ہوائی سروس کا ایک لفٹنٹ بحری بیڑے کے لئے ٹھیک جگہ تلاش کر رہا تھا کہ ایک پھٹنے والی گولی اس کے لگی۔ اور مشین کو ساحل پر اتارنے سے پہلے ہی وہ ختم ہو گیا۔

ترکوں کے محافظ دستے جان توڑ کر لڑے۔ اس لئے لارنس کو بعد میں پتہ چلا ان کا گورنر ان کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ اس نے محافظ دستوں کو احکام دے دیئے تھے جو یہ تھے۔

"اس وقت تک لڑو جب تک کہ تم میں آخری قطرۂ خون بھی باقی ہے۔

وجہ کو فتح نہیں ہونے دینا چاہیئے" یہ کہہ کر وہ اندھیرا ہونے تک ٹھہرا رہا۔ اور پھر محافظ فوج کو اس کی قسمت پر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ خود اس کے آخری قطرۂ خون کی حفاظت کی جائے۔

بہرحال وجہ فتح ہو گیا۔ فیصل کی فوج میں جو عرب تھے انھوں نے یہ سمجھا کہ خدا کی مشیت ہی یہ تھی کہ انھیں لڑنا نہ پڑا۔ اب اس مقام کا صرف لوٹنا باقی تھا۔ چند ہی گھنٹوں میں عربوں کا چیختا چلاتا مجمع نیم جنون کی حالت میں، جوش سے بے خود ہو کر ہر گھر کو اس کے مال و اسباب سے خالی کر دیا اور خود کو کمبلوں اور قیمتی اشیاء سے اتنا لاد لیا کہ اس کو لے جانے کی وہ توقع بھی نہ کر سکتے تھے۔

اس قسم کی لڑائی انھیں پسند تھی جس میں لڑنا تو بہت کم پڑے اور معاوضہ خوب ملے۔ فالحمد اللہ۔

لارنس جانتا تھا کہ عرب وجہ میں ٹھہرے رہیں گے۔ اس کو وہ آئندہ کچھ عرصہ کے لئے بطور مورچہ کے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ آخری صورت حال کی اطلاع قاہرہ کے فوجی عہدہ داروں کو دی جائے۔ اس غرض سے وہ سمندر کے راستے سوئنز اور وہاں سے سیدھا جرنیل کلیٹن کے پاس جا پہنچا۔

بہت سارے ماہروں نے متفقہ طور پر اس بغاوت سے دلچسپی ظاہر کی۔ اور لارنس اپنی آخری کامیابی سے تقویت پا کر مختصر الفاظ میں ان سے یہ کہا کہ اگر وہ ہتھیاروں (خصوصاً دور مارنے والی توپوں) غذا اور روپیہ سے مدد کریں تو وہ سارے ملک کو ترکوں کے خلاف ابھار کر انھیں مکہ سے لیکر دمشق تک سارے ملک عرب سے نکال باہر

کر سکتا ہے۔

فوجی صدر مقام والے فلسطین میں اپنی مشکلات سے اتنے اُلجھے ہوئے تھے کہ بقول ان ہی کے یہ "ضمنی معاملہ" انھیں گرما نہ سکا۔

عرب بیورو Arab bureau (اس زمانے میں اسے یہی نام دیا گیا تھا) کو خاموش رکھنے کے لئے انھوں نے رائفلوں، بندوقوں اور روپیوں کے لمبے چوڑے وعدے ضرور کئے لیکن ان کو ایفاء نہ کرسکے اور لارنس مختلف جرنیلوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا پھرتا رہا کہ بغاوت عرب سے بہت کچھ ہوسکتا ہے۔

ایک کھلی ہوئی حقیقت البتہ ان عہدہ داروں کی سمجھ میں آگئی یعنی یہ کہ ترک لارنس کے اِقدامات سے بہت بدحواس ہوچکے تھے۔ جس کو وہ ابتداء میں ایک معمولی بغاوت سمجھ بیٹھے تھے وہ ساحلی علاقوں پر چھاگئی تھی اور کئی بندرگاہیں فتح کرلی گئی تھیں۔ اس سے حجاز ریلوے لائن تو راست خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ ترکوں کے لئے کمک رسانی میں سہولت کی خاطر اس ریلوے لائن کا چالو رکھنا ضروری تھا۔

لارنس کو کوئی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اور اس نے Velh واپس ہوکر اپنی فوج سے جاملنے کا تہیہ کرلیا تاکہ اس کا اندازہ لگاسکے کہ ان لوگوں کے ذریعہ کیا کیا جاسکتا ہے۔

اس نے خیال کیا کہ اگر وہ لڑائی کو ان کے لئے زیادہ جاذب نظر بنادے تو وہ یقیناً اس کی پیروی کریں گے۔

یہ چھوٹی بستی بدل سی گئی تھی۔ اس کے دونوں بازوں پر ساحل سے شروع ہوتا ہوا ایک معمولی چڑھاؤ تھا جہاں فیصل کی فوج پڑاؤ

ڈالے تھی۔ شریف علی کی منظم فوج کی صفوں کے پیچھے عربوں کے ہزاروں خیمے کھڑے تھے جو ہر درہ یا کھوہ میں گڈ مڈ پھیلے ہوئے تھے۔

اور اس کے پرے اونٹوں کے کاروان کے کاروان مسلسل آنے جانے لگے تھے۔ جن کے ساتھ اندرون ملک کے وہ پر جوش قبیلے والے ہوتے جو ان خبروں کو سن کر جو ملک کے اس سرے سے اس سرے تک پھیل چکی تھیں، کھنچے چلے آتے تھے۔

بستی کے شمال میں انگریزی اور مصری افواج کی چھوٹی صفوں کے کیمپ تھے۔ جہاں لارنس خود اپنے لوگوں سے بات چیت کرتا گھوما کرتا۔

رسد کی فراہمی اور رائفلوں کی مرمت کے لئے لارنس نے دو ایک انگریز عہدہ دار اور سپاہی مانگ لئے تھے۔ جنگ ہو یا نہ ہو عرب خوشی کے مظاہرہ کے طور پر ہوا میں رائفل اور ریوالور چھوڑنے سے باز نہ آتے تھے اور گولیوں کے زمین پر گرنے سے ان میں کافی جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ ایک گروہ کو بحری ہوائی طیارے کا بم مل گیا۔ جس سے وہ بہت دیر تک کھیلتے رہے اور جب وہ پھٹا تو کئی ہلاک ہو گئے۔

وقتاً فوقتاً دوسرے قبیلوں کے لوگوں کو دیکھ کر، جن سے وہ اکثر لڑا کرتے تھے ان کا نسلی تنفر ان پر غالب آجاتا تھا۔

پڑاؤ کی زندگی کے ان مسلسل بدلتے ہوئے مناظر میں لارنس ہر جگہ جا نکلتا۔ اور ہر خیمہ کے اندر اس کا خیر مقدم کیا جاتا۔ وہ ہمیشہ استفسارات کرتا رہتا خصوصاً ان لوگوں کے متعلق جو شمال کی پہاڑیوں سے آئے تھے۔

بتدریج لیکن یقینی طور پر وہ اپنے پرانے خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنا رہا تھا۔

وَجھ کی فتح سے اتنا جوش و خروش پیدا ہو چکا تھا کہ کئی عرب پورے ملک پر حملہ بولنے پر آمادہ نظر آنے لگے تاکہ جہاں پہنچیں آگ لگائیں اور لوٹ مچائیں۔ عربوں کی ان ترنگوں کو دبانا لارنس کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا اس لئے کہ یہ عربوں کی فطری جنگجویانہ زندگی تھی۔ وہ فیصل سے مسلسل کئی کئی گھنٹوں تک گفتگو کرتا رہتا اور اس کو سکھاتا پڑھاتا کہ مہم کے لئے کیا کیا مواقع ہیں۔ وہ اس سے اس وقت تک ٹھہرے رہنے کی التجا کرتا جب تک وسطی علاقوں اور شمال کے بڑے بڑے قبیلے اس کے مقصد کے لئے اپنی پوری امداد اور وفاداری پیش نہ کر دیں۔

صحرا کے شیوخ کے پاس ان پیغامات کے ساتھ قاصد دوڑائے گئے کہ وہ قابل نفرت ترکوں کو ملک سے نکال باہر کرنے کے لئے حجاز کے طاقتور بادشاہ اور اس کے بیٹوں کی مدد کریں۔ بیشتر قاصدوں نے ہر کیمپ پر اس عجیب شخص کا کچھ نہ کچھ حال بتا کر جو فیصل کے سیدھے جانب سوار ہو کر نکلتا تھا ان پیاموں میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔ وہ کہتے کہ وہ ایسا شخص ہے جو جب چاہتا چلا آتا ہے اور جب چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عظیم الشان انگلسی قوم کے بڑے آدمیوں میں سے ایک ہے اور جو خود بڑا صاحب اقتدار ہے۔ وہ یہ بھی کہتے۔

"وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ لیکن وہ ہم کو جانتا ہے۔ ہماری زبان میں گفتگو کرتا ہے اور ہماری جیسی زندگی بسر کرتا ہے۔

پھر وہ ہے کون؟

ممکن ہے کوئی شہزادہ ہو۔ ہم پوری طرح تو نہیں جانتے۔ ہاں اتنا جانتے ہیں کہ اس کی آنکھیں نیلی ہیں۔" کسی عرب کی آنکھیں نیلی نہیں ہوتیں اس وجہ سے بھی لارنس کی فسون گری کی تصدیق ہوتی گئی۔

تمام ملک عرب میں افسانوی طاقت و شجاعت اس سے منسوب کی جانے لگی۔ حتیٰ کہ ترک بھی جو اس کو محض فضول بکواس سمجھے ہوئے تھے، اس طرف متوجہ ہونے لگے۔

انھوں نے اس پراسرار قائد کے قصوں کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت معلوم کرنے کے لئے جاسوس دوڑائے۔ لیکن انھیں کامیابی بہت کم ہوئی۔ وہ اس پراسرار شخص کے متعلق بہت کچھ سن لے سکتے تھے لیکن اس کو دیکھنا انھیں نصیب نہ ہو سکا۔

اس درمیان میں لارنس کے مشورہ کے بموجب، فیصل، شیوخ کا خیر مقدم کرتا رہا جو اس کے کیمپ پر اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے آنے لگے تھے۔ انھیں قرآن پر حلف اٹھانا پڑتا کہ وہ اپنے جھگڑے بھول جائیں گے۔ اور سارے عربی زبان کے بولنے والوں سے متحد ہو کر عرب قوم کی آزادی کے لئے لڑیں گے۔ لارنس نے، فیصل کو اس کام میں قائد بنایا تھا۔ اس کا یہ انتخاب غلط نہ تھا۔ فیصل بھی پہلے پہل ینوب Yeuob میں لارنس کو دیکھکر بہت خوش ہوا تھا۔ اور لوگوں کے ساتھ اس کے غیر طبعی بلکہ عجیب و غریب برتاؤ کو دیکھکر اس کی عزت کرنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ اور نہ سہی، صرف اس کی بہادری کے سبب اس کے ملک والے اس کی پیروی کریں گے۔ ایک

تبسم کے ساتھ اس کو وہ بات یاد آگئی جو اس نے جدے پر پیغام پہنچنے کے وقت کہی تھی۔ جس وقت کہ اس نے ایک شخص مسمی لارنس کے دیکھنے کا ذکر کیا تھا۔

انگریز سپاہی بہت مصروف رکھے گئے تھے۔ وہ عربوں کے ہتھیاروں کی مرمت کے لئے بھجوائے گئے تھے۔ اور رائفل اور روالور کی مرمت پر سے ان کی صناعی کی تصدیق ہوتی تھی۔ ان میں سے بعض رائفل تو اتنے پرانے تھے کہ ان کو یکجا رکھنے کے لئے مال پرٹین کے پتر مڑ دیئے گئے تھے۔ بیشتر تو اس حد تک بوسیدہ ہو چکے تھے کہ ان کا چھوٹنا ہی ایک عجوبہ تھا۔ آرڈنینس کے مرمت کرنے والے لوگ یہ سمجھے کہ وہ ایک دیوانی دنیا میں پہنچ گئے ہیں۔ اور عجائب گھر کے ہتھیار موجودہ جنگ میں قابل استعمال بنانے کے لئے انھیں دیئے جا رہے ہیں۔ بعض ہتھیار تو آزمائش کے وقت ہی پھوٹ گئے۔ دوسرے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ بعض میں نلی کو تار کے کئی ٹکڑوں سے باندھ کر اپنی جگہ پر قائم رکھا گیا تھا۔ بعض کے نال کچھ جھکے ہوئے تھے، زیادہ نہیں لیکن اتنے ضرور کہ صحیح نشانہ ناممکن ہو جائے۔

یہ جلوس بڑھتا رہا۔ وقتاً فوقتاً بعض باوقار شیخ ٹہلتے ٹہلتے پہنچ جاتے اور اپنا ہتھیار مرمت کے لئے دے آتے۔ ان لوگوں کے ہتھیار کندوں میں بھری ہوئی چاندی سے پہچانے جاتے۔

بعض دفعہ بعض ایسی کمیاب تلواریں بھی صیقل کے لئے لائی گئیں جو خوبصورت بجتے ہوئے فولاد کا سینکڑوں سال پرانا ٹکڑا ہوتیں۔ ان کا ہر ذرہ بعض خزانوں کی طرح قیمتی ہوتا۔ اور ان کی حفاظت بھی

اس طرح کی جاتی۔ اس کے خمیدہ، نامبارک پھل کا مصرف موت کے گھاٹ
اتارنا ہوتا۔ جس کو مشرقی قومیں بہت پسند کرتی ہیں۔ جب وہ لارنس کو بتایا
جاتا تو وہ فوراً پہچان جاتا۔ اس کو الٹ پلٹ کر دیکھکر بتا دیتا کہ یہ قرون وسطی
کے زمانہ کی محفوظ شاندار یادگار ہے۔

اس پر اسے از سرِ نو اس جم غفیر کے متعلق سوچنا پڑا جو خود کو فوج کہتا تھا
رائفل۔ ۳۰ سال سے لے کر سو سال کے پرانے تھے۔ ریوالوروں کا بھی یہی حال
تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے ہتیاروں میں خنجر، تلواریں اور بھالے شامل
تھے۔ یہ فوج تھی جس کے ساتھ وہ ترکوں کی طاقت سے جرات آزما ہونا چاہتا
تھا۔ عرب جب چاہتے گھروں کو چلے جاتے اور جب چاہتے لڑنے پر بھی آمادہ
ہو جاتے وہ ایک قہوہ کی پیالی پینے کی خاطر لڑائی روک دینے تک کی پروا
نہ کرتے۔ اور ساتھ ہی اگر وہ خود لارنس سے بیزار ہو جاتے تو اس کا گلا
کاٹ لینے میں بھی دریغ نہ کرتے اس موقع پر لڑائی کی "کمی" کے سبب وہ ملول
اور دلگیر تھے۔ اور زود حس ہو گئے تھے۔ وہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے تھے۔ اور لارنس
پر یہ لازم تھا کہ انھیں کسی نہ کسی دھاوے پر لے جائے جو ان کے تھکے ہوئے
جذبات کو تازہ کر دے۔

"حرکت"! بس یہی ایک بنیادی لفظ تھا۔ لارنس کو اس صورت
حال کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا۔ اِس لئے ایک معاملہ میں جسکو
دوسرے مشیر کار آگے بڑھانا چاہتے تھے، لارنس سے اختلاف آرا ہو گیا
مشیروں کا خیال تھا کہ راست مدینہ پر حملہ کر دینا چاہیئے جو ایک ریلوے جنکشن
بھی ہے۔

لیکن لارنس اس کو تضیع اوقات سمجھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی

صورت میں بھی اتنے طاقتور نہیں مانے جا سکتے کہ مدینہ کو فتح کر سکیں۔ جس کے استحکامات اتنے مضبوط تھے اور جس کے متعلق ترکوں نے حکم دے رکھا تھا کہ کسی قیمت پر بھی اس پر قبضہ برقرار رکھا جائے۔

اس نے خیال کیا کہ مدینہ کے قریب ایک کافی بڑی فوج کا رکھنا آسان ہے۔ ترک اس پر حملہ آور ہونے سے تو رہے۔ کیونکہ ان کے پاس اتنے آدمی نہیں ہیں۔ اور جب تک کہ ترک محصور رہیں اس وقت تک عربوں کو ان پر حملہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ لڑائی لڑنے کا یہ آسان طریقہ تھا جو لارنس کے اصول کے بالکل موافق تھا۔

وہ کچھ خوش تھا اس لئے کہ انگریز عہدہ داروں نے اپنے بعض وعدے ایفاء کئے تھے۔ انھوں نے ہتیار بند موٹریں بھجوائی تھیں اور مصری فوجیں بھی اتاری تھیں۔ کرنل جوائس کو بھی انھوں نے بھیجا تھا۔ وہ لارنس کی بالکل ضد تھا۔ یعنی ۶ فٹ ۴ کا دیو نما انسان تھا لارنس اور جوائس کو باہم دیکھکر عرب ہنس پڑتے۔

عرب کیمپ کے عقب میں لارنس اور فیصل کچھ باتیں کر رہے تھے کہ ایک عرب دوڑتا ہوا آیا اور شہزادہ فیصل سے سرگوشی کرنے لگا۔

فیصل نے مڑکر لارنس کی طرف دیکھا اور کہا اعدا آگیا۔ وہ اپنی ہمیشہ کی متانت کو بھول گیا تھا۔ امداد کے لئے عرب کے ایک زبردست جنگجو کی آمد ان کے لئے صحیح معنی میں باعث فخر و مباہات تھی۔

لارنس اس نام سے واقف تھا۔ اور اس کو دہرانے لگا۔ خیمہ کا پردہ ہٹا۔ ایک قد آور ستوان ناک کا خوبصورت شخص جس کے چہرہ پر داڑھی اور خشمناک موچھیں تھیں انھیں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ جب وہ آگے بڑھا تو گہری آواز

میں یوں گویا ہوا۔

حضور! مومنوں کے سردار۔ یہ کہہ کر فیصل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو بوسہ دیا۔ اعدا کے پیچھے اس کا گیارہ سالہ لڑکا تھا وہ بھی مسلح تھا اور رائفل ساتھ رکھتا تھا۔ بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس عمر میں بھی وہ قبیلہ کے دشمنوں کو مار چکا تھا۔

لارنس کے نزدیک اعدا کی آمد بہت بڑی بات تھی۔ دوسرے اقدام کا خیال جو بہتوں کو نادرست معلوم ہوا ہوگا اس کے دل میں جاگزیں تھا۔ لیکن خود لارنس کو اس کا علم نہ تھا کہ اس کو بروئے کار کس طرح لانا چاہیئے۔

تمام عربستان میں بہترین فوجی مرکز عقبہ ہی ہو سکتا تھا جو رومیوں کے عہد کی قدیم بندرگاہ ہے رومیوں سے پہلے شاہ سلیمان کے عہد میں بھی اس کو شہرت حاصل تھی۔ یہاں سے کاروان تمام اقطاع ملک کو جاتے اور جا سکتے تھے۔ لہذا اس کو فتح کرنے کے یہ معنی تھے کہ ترکوں کو ریلوے کی طرف لوٹ جانا، اور اگر اپنی سلامتی چاہیں تو وہیں ٹھہرے رہنا پڑے گا۔

لیکن عقبہ کی فتح بہت دشوار تھی۔ یہ خلیج عقبہ کے آخری کونے پر واقع ہے۔ اور ترک اس کی اہمیت کو پوری طرح سمجھے ہوئے تھے۔ مٹی کے دھسوں اور خندقوں سے اس کو مستحکم کیا گیا تھا اگر سمندر کے راستے بحری بیڑے کے ذریعہ حملہ کیا جاتا تو بندرگاہ کا سر کرنا بہت دشوار تھا۔ اور اگر زیادہ نشیب میں فوجیں اتار کر ساحل پر حملہ کیا جاتا تو اس کے لئے کافی فوج کی ضرورت تھی۔ اور اس طرح کی کارروائیاں تربیت یافتہ افواج کا کام تھیں۔ غیر تربیت یافتہ عربوں کے بس کی نہ تھیں۔ نتیجۃً سمندر کی راہ سے حملہ کرنے کا خیال خارج از بحث ہوگیا۔

اس کے بجائے لارنس کو ایک دوسرا منصوبہ سوجھا۔ عقبہ اور اس کے مضافات سے لارنس خوب واقف تھا۔ جنگ سے پہلے اس نے اس دیار کی جو چھان بین کی تھی وہ اسے بھولی نہ تھی۔ اور لوگ جس کو ناقابل گزر پہاڑی سلسلے سمجھتے تھے ان میں بھی وہ ان پگڈنڈیوں کا پتہ چلا چکا تھا جو پہاڑ کی چوٹی تک پہنچتی تھیں۔ وہ اِس خفیہ ، ایک شخص کے گزرنے کے راستہ سے بھی واقف تھا جو صدہا سال پہلے استعمال ہوتا تھا اور اب بھلا دیا گیا تھا۔

اِن باتوں کو دھیان میں رکھکر اس نے ایک طویل اقدام کا منصوبہ سوچا۔ یعنی دشمن کی فوج سے بچکر اس مورچہ کے پیچھے سینکڑوں میل جایا جائے اور اندرون ملک سے ہوتے ہوئے عقبہ تک پہنچا جائے اس میں ۶۰۰ میل کا پھیر تھا۔ صرف منتخب اور طاقتور لوگ ہی اس اقدام میں شریک ہو سکتے تھے۔

اس میں کئی ہفتے لگ جاتے تھے۔ اس کی مثال ایسی تھی جیسے لندن سے اسکاٹ لینڈ ہوتے ہوئے ویلز پہنچنا۔ جس چیز نے لارنس کو اس منصوبہ پر آمادۂ عمل کیا وہ اس کا اصول حرب تھا جو دشمن کو بھونچکا دینے سے عبارت تھا۔ دشمن کی آنکھیں سمندر کی طرف لگی ہوں گی۔ ایسی صورت میں سمندر کے راستہ حملہ کرنے میں ہزاروں آدمیوں کی جانیں تلف ہونگی۔ اس لئے وہ ان پر پیچھے سے حملہ کرے گا جس کا انھیں وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔ وہ جتنا زیادہ غور کرتا گیا اسی قدر اس پر اس کا وثوق بڑھتا گیا۔ اور چونکہ عرب سردار ابوطے مدد دینے ہی کے لئے آیا تھا اس لئے لارنس اس کام میں اس سے ضرور مدد لینا چاہتا تھا۔ اعدا ابوطے شاید تمام عربوں میں سب سے زیادہ مشہور لڑنے والا تھا۔

لارنس اور دوسرے عرب سردار جب شام کے کھانے پر بیٹھے تو یہ اور اسی سے ملتے جلتے خیالات اس کے دماغ میں گزر رہے تھے۔ اور جب لارنس نے ان سے کہا کہ ڈائنامیٹ کے ذریعہ ریلوے کو کس طرح اڑایا جا سکتا ہے تو وہ بہت مسرور ہوئے۔

اِتنے میں اعدا کی ایک چیخ سنائی دی۔

"خدا نہ کرے"! اس نے گرج کر اپنی انتہائی بلند آواز میں کہا اور خیمہ سے نکل بھاگا۔

باہر سے کسی چیز کے کوٹنے کی آواز آرہی تھی۔ لارنس بھی اس عجیب وغریب حرکت کی وجہ معلوم کرنے کے لئے باہر نکل آیا۔

اعدا نے اپنے مصنوعی دانت منہ سے باہر نکال لئے تھے۔ اور چٹان پر رکھکر بڑے پتھر سے اس کو چکنا چور کئے ڈالتا تھا اور غضب ناک ہو ہو کر قسمیں کھاتا جاتا تھا۔

لارنس نے پوچھا "تجھے کیا تکلیف ہے؟"

خدا مجھے معاف کرے۔ میں صرف بھول گیا تھا۔

لارنس نے پوچھا۔

"بھول کیا گیا تھا؟"

بھول یہ گیا تھا کہ میں اپنے آقا کی غذا ان دانتوں سے چبا رہا ہوں جو مجھکو ایک ترک جرنیل نے دیئے تھے۔ جب یہ کہہ چکا تو زمین پر تھوک دیا۔

یہ مثال تھی ترکوں سے اس کی نفرت اور فیصل سے وفاداری میں اس کے غلو کی۔ اس کے اصل دانت شاید ہی ہوں گے۔ اور دانتوں

کے نئے چوکے کے لئے اس کو کئی ہفتہ ٹھہرنا پڑا ہوگا۔

دوران طعام میں لارنس نے پتہ لگایا کہ اعداکس قماش کا آدمی ہے وہ اس کو قبیلہ Howeitat کے سردار کی حیثیت سے تو جانتا تھا لیکن اس کی زندگی کی بیشتر تفصیلات سے ناواقف تھا۔

خود اپنے خیمہ میں وہ بڑا مہمان نواز تھا۔ غریب اس کے ہاں سے کبھی بھوکا نہ جاتا۔ مہمانوں کی خوب خاطر تواضع کرتا۔ اس کے ۲۸ بیویاں تھیں۔ وہ ۶۰ سال کے لگ بھگ تھا۔ اور ہمیشہ دشمن قبیلوں سے لڑتا بھڑتا رہا تھا۔ خود اکیلا ۷۵ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ جو سب کے سب عرب تھے۔ اور یکیکی Dual مقابلوں میں مارے گئے تھے۔ اس نے جتنے ترک قتل کئے تھے ان کو اپنے حساب سے خارج سمجھتا تھا۔ وہ ان کو آدمی ہی نہ سمجھتا تھا۔ اس لئے ان کی تعداد کو فراموش کر گیا تھا۔ وہ چوروں کا واقعی سردار تھا۔ اور اپنے سارے ہمسایوں کا جانی دشمن تھا۔ اس لئے جب جی میں آتا ان پر حملہ کر بیٹھتا۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری اس کا غصہ تھی۔ جس کو کوئی شخص روک نہ سکتا تھا۔ وہ بڑا ضدی تھا۔ اور اپنے ہر ارادے کو پورا کر کے رہتا۔ اگرچہ اس میں وہ غلطی ہی پر کیوں نہ ہو۔ بحیثیت مجموعی وہ قسمی انقلب انسان تھا۔ لیکن باین ہمہ سب اس کو چاہتے تھے اس لئے کہ اس کے دل اور روح اور عادات و اطوار میں بچوں کی سی سادگی تھی۔ اپنے زبردست دھاوے میں لارنس کو اسی قسم کے رفیق کار کی ضرورت تھی۔ اور عین اس کی منصوبہ آرائیوں کے درمیان

اعداد کی آمد نے لارنس میں اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے خیال کو مستحکم کر دیا۔

باب ٦

اِس منصوبہ کی تکمیل میں کچھ وقت لگ گیا۔ سب سے اول اس کو مدینہ پر حملہ کرنے کے خیال پر پوری طرح پانی پھیر دینا تھا۔ اور خود اپنے دوسرے منصوبہ کی توثیق اس کو فوجی صدر مقام سے حاصل کرنی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر منظوری نہ بھی ملے تو بھی وہ اس کو پورا کرکے رہیگا۔ اس نے اپنی رپورٹ لکھی لیکن دوسرے مشیر کار نے علیحدہ رپورٹ اس کے خلاف میں لکھی۔ لیکن اس سے پست ہمت نہ ہوکر، لارنس اپنی رپورٹ لے کر مصر روانہ ہوگیا تاکہ بذات خود اس معاملہ میں بحث کرسکے۔

اپریل ۱۹۱۷ء کے آخری دن تھے کہ لارنس مصر پہنچا۔ اور آغاز مئی پر وَجہ Waji واپس آگیا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کو اپنا راستہ ہی اختیار کرنا پڑیگا اس لئے کہ مدینہ کے حملہ کا پروان چڑھنا

ناممکن تھا۔ اور کچھ عرصہ کے لئے اس کو دور دراز کا سفر بھی درپیش تھا۔

اعدا اس سے کئی دفعہ تبادلۂ خیال کرچکا تھا۔ اور مئی کی نویں تاریخ پر ہر چیز تیار تھی۔ دوپہر کا وقت تھا کہ وہ سفر پر روانہ ہوئے۔ اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ سفر بہت طویل ہے لارنس اور اس کا نیا دوست اعدا بہت خوش تھے۔ اعدا گول مول باتیں کبھی نہیں کرتا تھا۔ اور نہ وہ کھسیانی ہنسی ہنستا تھا۔ اس لئے جب وہ پہلی منزل پر بڑھنے لگے تو مسرت سے اس کی آواز گرجنے لگی۔ اونٹ کی سواری ایسی چیز ہے جس کو یورپ والے آسانی سے نہیں سیکھ سکتے۔ اس کے ہلکے ہلکے دوڑنے میں حرکت تیز اور جھٹکا دینے والی ہوتی ہے۔ اور اس کی تیز رفتاری میں یہی حرکت جُھلانے والی ہوجاتی ہے۔ عموماً راستہ چھڑی کے ذریعہ دکھایا جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اونٹ کو جس طرف موڑنا ہو اس کے مخالف سمت میں اس کی گردن پر چھڑی ماری جاتی ہے۔ مثلاً اگر آپ کو بائیں سمت میں جانا ہو تو گردن پر دائیں طرف چھڑی سے اشارہ کرنا چاہیئے۔ اونٹ پر چڑھنا اترنا عموماً دو طریقہ پر ہوتا ہے۔ یعنی یا تو تیزی سے چڑھنا اترنا یا پھر گر پڑنا۔

اگر آپ اپنے اونٹ کو قابو میں رکھنا چاہتے ہوں تو اس کی اگلی مڑی ہوئی کسی ایک ٹانگ کو رسی سے باندھ دیجئے۔ اس پر بھی اگر اونٹ چاہے تو اٹھ سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنی تین ٹانگوں سے محض لَودتا پھریگا۔ اس لئے اس کا پکڑ لینا بہت آسان ہوگا۔

غیر آباد اور بنجر سرزمین کا یہ سفر ابتدا ہی سے بہت گرم تھا۔ عرب صرف سروں کے اوپر ہی تپش نہیں محسوس کر رہے تھے بلکہ اس تنگ وادی کے دونوں بازوؤں سے، جس میں سے وہ گزر رہے تھے، حرارت

عود کر آ رہی تھی۔ یہ چیز ترکی کے کسی حمام میں بہت دیر تک غسل کرتے رہنے کے مشابہ تھی۔ بالآخر دوسرا دن جب ختم ہوا تو آل کر کے مقام پر کھجوروں کے درختوں کے سبب جان میں جان آئی۔ یہاں ایک چھوٹا سا خیمہ کھڑا تھا اور اس کے چھوٹے سے ہرے بھرے باغ میں جو عین ریگستان کے وسط میں لگایا گیا تھا، ایک بوڑھا اور اس کی بیٹیاں رہتی تھیں۔ بوڑھے کے اسلاف اس زمین کو جوتتے آئے تھے۔ اور صدیوں تک اسی کنوئیں کی نگہداشت کرتے رہے تھے۔ بوڑھا بھی انھیں کی طرح، ان ہی کے استعمال کئے ہوئے ہتیاروں سے کام کرتا رہا تھا۔ یہ ایک فرحت بخش مقام تھا اور چونکہ لارنس ایک مخصوص سردار سے دو روز تک نہیں ملسکتا تھا۔ اس لئے سب کے سب دو راتوں تک آل کر میں ٹھہرے رہے۔

ہر رات نغمہ و سرود کے ہمہ اقسام کے جلسے رہتے۔ دو سپاہی جو اسی کیمپ میں ٹھہر گئے تھے اپنے ساتھ چِتھارے لے آئے تھے۔ اور الاؤ کے آگے بیٹھے شام کے وقت ہر روز انھیں بجایا کرتے اور اپنے ملک شام کے گیت گاتے جاتے۔

دوسرے دن بلکہ کہنا چاہیئے دن کے دو بجے سفر پھر شروع ہوا۔ ۵ بجے کے قریب وہ اسی ڈھلوان بلندی پر گھسٹ گھسٹ کر چڑھ رہے تھے جہاں راستہ اتنا تنگ تھا کہ صرف بکریوں کے لئے قابل گزر ہو سکتا تھا۔ بالآخر اونٹوں سے اترنا پڑا۔ اور انھیں اوپر کھینچنے اور ڈھکیلنے کی ضرورت پیش آئی۔ اونٹ گر پڑے اور ان کے پاؤں ٹوٹ گئے۔ اس وقت انھیں ذبح کیا گیا۔ اور اسی مقام پر ان کے ٹکڑے کئے گئے۔ آئندہ ان کا گوشت استعمال کیا جا سکتا تھا۔ جس ڈھلوان بلندی پر

انھیں چڑھنا پڑا تھا، اب ویسا ہی ڈھلوان اتار شروع ہوا۔ ایک گہری سایہ دار وادی میں پڑاؤ ڈال دیئے گئے۔ یہاں انھیں آرام پانے کا دوسرا موقع ملا لارنس کو یہ مقام اتنا پسند آیا کہ وہ ایک چٹان کے چھجے پر چڑھکر تصورات میں ڈوبا، پڑا رہا۔

انگلستان دور، بہت دور نظر آتا تھا۔ اس خیال سے اسے اچنبھا ہوا کہ اس کا یہ مجنونانہ سفر آخر کب اور کہاں جاکر ختم ہوگا۔

شام کے وقت وادی کے نشیب میں لارنس اور اعدا اس قاصد کے منتظر بیٹھے تھے جو آکر یہ کہنے والا تھا کہ آگے جا سکتے ہیں۔ دوسرے دن اعدا نے قافلہ کی قیادت کی! قیادت، ہی صحیح لفظ ہوگا اس لئے کہ وہ ہر نشیب و فراز پر چڑھتے اترتے، چکریں کاٹتے بڑھے جا رہے تھے۔ ابھی چٹانوں کی دراز کے گہرے سایہ میں تھے اور ابھی چمکتی اور چبھتی ہوئی دھوپ میں نکل آئے۔ اس ملک میں جہاں ہر طرف یکسانی چھائی ہوئی تھی۔ اور کسی راستہ کا نشان بھی نہ ملتا تھا۔ اعدا کا بغیر کسی پس و پیش کے راستہ معلوم کرلینا، ایک امر محال معلوم ہوتا تھا، بالآخر ایک بلندی پر چڑھنے کے بعد، بہت دور آگے کی طرف انھیں ریل کی لمبی پٹری نظر آئی۔ ریلوے کے علاوہ ایک اور منظر بھی تھا جس کو دیکھکر انھیں رک جانا پڑا۔ ریلوے کی طرف سے چند سوار چلے آتے تھے۔

لارنس اعدا کی طرف بڑھا۔

اس نے پوچھا "کیا وہ دوست ہیں"؟

اعدا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے ہاتھ رائفل پر تھے۔ اور اونٹ کے کجاوے پر ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے رکھے تھے۔ جو بھی ہول

وہ تو تیار تھا۔

لارنس کا دایاں ہاتھ اس کے ر دالور پر پڑا۔ جب یہ دونوں چھوٹے جتھے بڑھکر آگے آئے تو معلوم ہوا کہ ان کے پیش پیش جو لوگ ہیں وہ عربی افواج سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جب بہت قریب آن پہنچے تو پہلا سوار مضطرب صورت، ہلکے سرخ رنگ کی داڑھی والا۔ انگریز عہدہ دار ہارن بائے نکلا۔ لارنس سن چکا تھا کہ وہ ریلوے کے بعض حصوں کو اڑا دینے میں مدد کر رہا ہے۔ وہ اس سے مل کر خوش ہوا۔

یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔ ایک دوسرے کے خیر مقدم کے بعد یہ دونوں تن تنہا انگریز جو نت نئے موانعات کے باوجود جنگ عظیم میں اپنا کام کئے جا رہے تھے، اپنے اپنے راستہ پر چل پڑے۔

دوسرے دن یہ قافلہ ریلوے تک پہنچ گیا۔ اور اس کے ایک حصہ کو اڑا دینے کی تیاریاں بعجلت کر لی گئیں۔ ڈائنامنٹ کو اعدا نے آج پہلی بار دیکھا۔ جب سرنگ اڑتی اور اس کے ساتھ ریل کی پٹریاں بھی فضا میں بلند ہوتیں تو وہ خوش ہوتا اور قہقہے لگاتا تھا۔

لارنس اور اس کے ساتھیوں کے پاس اب پانی اتنا رہ گیا تھا کہ وہ صرف ایک بار پی سکتے تھے۔ اس لئے انھوں نے اپنی مشکیں بھر لیں اور صحرائے اِل ہول میں سفر کا سب سے بدترین حصہ طے کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

دو دن تک، جس دوران میں انھیں سونے کو بہت کم ملا تھا، وہ اس ویرانے میں آگے بڑھتے رہے۔ زمین سپاٹ تھی۔ اور گرم و خشک ہوا، برابر ان کے چہروں پر دھول اڑا رہی تھی۔

کاروان کی قطار دو میل تک لمبی ہوگئی تھی. جب وہ آگے بڑھتے جاتے تو انھیں وقتاً فوقتاً کوئی سُراب نظر آتا۔ انھیں الجھن ہونے لگتی اس لئے کہ سراب کی ان بڑی بڑی جھیلوں میں سے سواروں کی پرچھائیاں ان کی طرف تیرتی ہوئی آتی نظر آتیں۔ لارنس کی آنکھیں اتنی اکتا گئی تھیں کہ سراب اور اصلی چیزوں میں امتیاز دشوار ہوگیا تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ سب آدمی موجود ہیں یا نہیں، وہ انھیں شمار کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ دو تین دفعہ کے شمار میں معلوم ہوا کہ ایک کی کمی ہے۔

آخرکار شمار کرتا وہ کاروان کے سرے تک جا پہنچا۔ اور یہ معلوم کرکے اسے بڑی مایوسی ہوئی کہ اس کی گنتی صحیح تھی۔ ایک عرب خالی اونٹ لئے چلا آتا تھا۔

لارنس کو بہت غصہ آیا۔ اس اونٹ کے سوار نے اس کو کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ اور یہ بات لارنس کو سخت ناپسند تھی کہ اس طرح کوئی شخص کھو جائے اور سختیاں جھیلتا رہے۔

اونٹ والے نے کہا۔ یہ غاصم کا اونٹ ہے۔

وہ خود کہاں ہے۔

آدمی نے جواب دیا۔

حضور! مجھے اس کی کیا خبر۔

ایک ایک کے پاس سے لارنس، غاصم کا پتہ پوچھتا ہوا گزرا۔ آخرکار سب کو ماننا پڑا کہ وہ کھو گیا۔ لارنس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر اب کیا کیا جائے۔

غاصم کئی میل پیچھے رہ گیا ہوگا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ پیاس کے مارے اب تک مر بھی چکا ہوگا۔ اس کی تلاش میں کسی دوسرے کو بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ غذا اور پانی کی قلت کے سبب سب کے سب کمزور ہو گئے تھے۔ اور اس دہشت ناک سفر نے انکی ساری قوت بٹھا دی تھی۔ گمشدہ غاصم کو بچانے کی کوشش کو سب کے سب دراصل فضول سمجھتے تھے۔ انھوں نے کہا اس کے ہم پر کوئی حقوق نہیں ہیں۔ اور وہ شخص اس قابل بھی نہ تھا کہ اس کے لئے تردد کیا جائے۔

لارنس اس پر غور کرنے لگا۔ وہ ان کا قائد تھا۔ اس لئے خود پر لازم سمجھا کہ واپس جائے اور اس بیوقوف کا پتہ چلانے کی کوشش کرے۔

اگر وہ قائد تھا تو کیا اس پر یہ بھی لازم تھا کہ ایک مدفضول عرب کی تلاش میں، جو ممکن ہے اس وقت تک مر چکا ہو۔ اپنی جان کو صحیح معنی میں جوکھوں میں ڈالے۔

دل ہی دل میں یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنے اونٹ کی نکیل پیچھے کی طرف موڑ دی۔ تقریباً دو گھنٹوں بعد ایک انسانی پیکر، تلملاتی دھوپ میں سامنے سے آتا دکھائی دیا۔

کیا یہ بھی کوئی دھوکہ دینے والا سراب تھا یا کوئی جھاڑی تھی یا کوئی شخص تھا؟

لارنس نے للکار کر پکارا۔ جواب میں ہاتھوں کی کمزور حرکت نظر آئی۔ یہ اسی کا آدمی تھا۔ لارنس اپنے اونٹ کو آگے بڑھا لے گیا۔ اور نیم اندھے اور پیاس سے دیوانے غاصم کو اٹھا لیا۔ اور اس کو اونٹ پر ڈال کر پھر دوبارہ

قافلہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

دھند میں دوسرے پیکر بھی ناچتے نظر آئے۔ اعدا اور دو اور شخص لارنس کی تلاش میں لوٹ آئے تھے۔ اگرچہ وہ غاصم کے ملنے پر خوش تھے لیکن یکے بعد دیگرے وہ اس کو گالیاں دینے لگے جس نے ان کے "قائدِ اعظم" کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ ساتھ ہی انھوں نے لارنس کو بھی اتنا ہی برا بھلا کہا کیونکہ اس نے اس ناکارہ بیوقوف کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی تھی۔

اس سفر میں پندرہ دن گزر چکے تھے۔ سفر کی سخت ترین صعوبتوں سے قطع نظر اس سفر کا یہی سب سے زیادہ ہیجان انگیز واقعہ تھا۔

شام ختم ہوئی تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا ریت کا بہت بڑا طوفان بڑھا چلا آ رہا ہے۔ ریت کپڑوں سے گزر کر ڈستی معلوم ہوتی۔ اور جسم پر سیکڑوں سخت سنگریزوں کی طرح آ آ کر لگتی۔

ان مصائب پر طرفہ یہ کہ پانی بالکل ختم ہوچکا تھا۔ ایسی صورتیں کھانا کھانا حماقت تھی اس لئے کہ اس سے پیاس اور بڑھ جاتی۔

اس لئے انھوں نے کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا۔ لارنس کی طرح سب کا یہی خیال تھا کہ دوسرے دن نخلستان تک پہنچنے کی توقع پوری ہوگی۔ وہ اب صحرا کی زندگی کے آلام و مصائب سے مانوس ہو چلا تھا۔ اس کا جسم کوڑا بنانے کی مضبوط بٹی ہوئی رسّی کی طرح سخت ہوگیا تھا۔ اور اس کے جسم پر تاہرہ کے زمانہ قیام میں جو ملائمت آگئی تھی، وہ دور ہوگئی تھی۔

رات کی خنکی میں مختصر سے آرام کے بعد سوار پھر اپنی سواریوں کو لئے تیزی سے لیکن پوری خبرداری کے ساتھ آگے بڑھے۔ تاکہ اس زمین دوز

کنوئیں تک پہنچ سکیں جو وادی سرہان کے شمال میں ۵۰ میل آگے تھا۔

یکایک سفر کے معمولی سے سکون میں خلل پڑ گیا۔ ٹیلہ کی جانب سے ان کی طرف گولیوں کی ایک بوچھار ہوگئی۔ اور ان میں کا ایک آدمی ایک وحشتناک چیخ کے ساتھ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ گولی اس کے سر میں لگی تھی۔ زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ مر چکا تھا۔ لارنس نے اپنے لوگوں کو فوراً اتر پڑنے کا حکم دیا تاکہ گولیاں سر کرنے والوں سے بچنے کے لئے اونٹوں کی آڑ پکڑ سکیں۔

لیکن مرنے والے کے ساتھی توقف نہ کر سکے۔ اور جس طرف سے بندوقوں کی آواز آئی تھی اس طرف ہلہ بول دیا۔ نعرہ لگا کر انھوں نے ریتیلے ٹیلے کا محاصرہ کر لیا۔ اور جب کونے کی طرف مڑے تو انھیں نظر سے اوجھل ہوتا ہوا غبار نظر آیا۔ جو حملہ آور جماعت کے بھاگنے سے پیدا ہو گیا تھا۔

اس بات کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں رہی گئی۔ عرب جب کبھی اس عجیب ملک میں سفر کرتے ہیں یا جہاں کہیں بھی سفر کرتے ہیں تو حملہ کی مقاومت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ انھوں نے سمجھا کہ یہ صرف خدائی مشیت تھی کہ ایک منحوس گولی ان کے ایک ساتھی کے آلگی۔ اس کو پتھروں کے ڈھیر کے نیچے دفن کر دیا گیا تاکہ لاش مردہ خور جانوروں سے محفوظ رہ سکے۔ اس کے بعد یہ قافلہ آگے بڑھ گیا۔ اس حادثہ نے لارنس کو فکرمند کر دیا تھا۔ وجہ سے روانگی کے بعد دشمن کی یہ پہلی ضرب تھی جو انھیں سہنی پڑی تھی۔

بہرحال کنوؤں تک وہ بہت جلد پہنچ گئے۔ اور وہاں اتر پڑے قاصد جس کا عرصہ سے انتظار تھا، یہاں یہ خبر لے آیا کہ اعدا ابوطے کے قبیلے آگے کی وادی میں اترے ہوئے ہیں۔

سفر کا پہلا حصہ تو ختم ہو گیا۔ دوسری چیز محاصرۂ عقبہ کے منصوبہ کی تکمیل

تھی۔ لارنس کو ابھی یقین نہ تھا کہ یہ ملک جس میں اس کو سفر کرنا ہے اس کا ہم نوا ہو چکا ہے۔ سرہان کی لمبی چوڑی وادی پر جس شیخ کی حکومت تھی ابھی اسے ترغیب دینا باقی تھا۔ شیخ سے ملنے کے لئے اعدا کو بھیجا گیا۔ لارنس نے اس کے کجاوے کے بغچوں میں سونے کی چھ تھیلیاں بھر دیں تاکہ شیخ کو ترغیب دینے میں ان سے مدد ملے۔

ایک ہفتہ تک لارنس قبیلہ Howeitat کے کیمپ کا خاص مہمان رہا۔ اور ابتدائی تین دن کھانے پینے، بات چیت اور سوتے رہنے میں گزر گئے۔

تیسرے دن وہ سرہان کی طرف روانہ ہوئے۔ اگرچہ سابق میں دو ایک سانپوں کے سبب پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن اب پا پیادہ لوگوں کا بہت سا وقت پست جھاڑیوں پر لکڑیاں مارنے میں صرف ہونے لگا۔ رات کے وقت سانپ نکل آتے اور لوگوں کی کمبلوں پر کنڈلی مار کر بیٹھ جاتے۔ اس لئے صبح کے وقت بستر سے اٹھنا بڑا نازک کام تھا۔ اسلئے کہ انھیں کبھی یقین نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی سانپ ان کے بستر کا حصہ دار تو نہیں ہو گیا ہے۔ سانپوں سے قطع نظر یہ سفر بڑے واقعات سے خالی تھا۔ جون کے آغاز ہی پر اعدا لارنس سے پھر آملا۔ اور یہ خوشخبری لایا کہ ترکوں کے پڑاؤ کے مقاموں کو چھوڑ کر ملک کا باقی حصہ ان کے لئے کھلا ہوا ہے۔

مستقبل قریب کے متعلق لارنس گہری سوچ میں پڑ گیا۔ ایک امر تو یہ تھا کہ عقبہ پر حملہ کیا جائے۔ لیکن وہ اس کا تعین کر لینا چاہتا تھا کہ میسوپٹیمیا کی سرحد تک سارا ملک ترکوں کو شکست دینے میں مدد کے لئے اٹھ کھڑا ہو گا یا نہیں ایک ایسے وقت میں جب کہ سونا بے دریغ صرف کیا جا رہا تھا اور اطلاعات

کے لئے ترک بڑی بڑی رقمیں صرف کر رہے تھے۔ دوسروں کو شمال کے شیخوں سے ملنے پر آمادہ کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔

اس کے لئے دشمن سے پٹے ہوئے علاقوں میں ۱۴، ۱۵ روز کے طویل سفر کی ضرورت تھی۔ اور معلومات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ترکوں کے منصوبہ کا معلوم کرنا تھا۔ اس لئے یہ لازم آیا کہ خود لارنس کو جانا چاہیئے۔ مصیبت یہ تھی کہ عرب چاہتے تھے کہ وہ انھیں کے ساتھ ٹھہرا رہے۔ اس لئے اس کو چوری چھپے سے کھسک جانا پڑا۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ ۳ سے ۱۸ جون تک لارنس پر کیا کچھ گزر گئی۔ عرب جب وادی سرہان کے شمالی سرے پر نبک تک پہنچ گئے تو لارنس غائب ہوگیا۔ اور واپس اس طرح ہوا گویا وہ شام کی چہل قدمی سے واپس ہو رہا ہے۔ یعنی ایک لمحہ کے لئے تو کیمپ کو اس کی کوئی خبر نہیں ملی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ لیکن وہ جواب دینے سے بچتا اور کتراتا جاتا تھا۔

صرف اتنا کہتا "کچھ بات نہیں۔ بعلبک ہو آیا۔"

لیکن اسی " بعلبک ہو آیا" والے فقرے میں ۵ سو میل کے سفر کی داستان پوشیدہ تھی۔ وہ ترکوں کے پڑاؤ اور ان کی افواج کے درمیان نیز جرمن افسروں کی مجلسوں میں گھومتا گھامتا پھرا۔ ناقابل یقین خطروں سے اسے گزرنا پڑا ہوگا۔ اس لئے کہ ترک گرفتار شدہ جاسوسوں سے راز معلوم کرنے کے لئے سخت ہولناک سزائیں دیتے تھے اور معاً بعد انھیں پھانسی دیدی جاتی تھی یا قتل کر دیا جاتا تھا۔

لارنس نے فوجی صدر مقام کے جرمن عہدہ داروں سے ان کے آیندہ منصوبوں پر بحث کی۔ اور ان معلومات کے ساتھ لوٹا جو آیندہ چل کر بہت کار آمد

ثابت ہوئے۔ وہ ترکوں میں بھی گھل مل گیا اور ان کے گرم گرم بحث مباحثوں میں بھی شریک رہا جس میں اس پر غور کیا جاتا تھا کہ عربوں کے اس انبوہ کے متعلق کیا کیا جائے جن کی طرف سے جنوب میں خطرہ لگا ہوا ہے۔ اس نے بڑے ہی ٹھنڈے دل سے اس پر اتفاق کیا کہ "اس دیوانہ انگریز کو پکڑے جانے کے بعد (اور وہ بہت جلد ہی پکڑ لیا جائے گا) سخت سزا دینی چاہئے جو بےشمار مزاحمتوں کا سبب بنا ہوا ہے۔"

چند گھنٹے اس نے دمشق میں بھی گزارے۔ اور غلہ کے تاجر کے بھیس میں ان اشیاء کی خرید و فروخت کرتا پھرا جو اس کی ملکیت نہ تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے وہ دروزیوں کے ملک میں بھی گھومتا پھرا۔ ترکوں کے ایک کیمپ سے جب معلومات حاصل کرنے کا کوئی وسیلہ نظر نہ آیا تو اس نے عورت کا روپ دھارن کر لیا۔

یہ سولہ روز تمام کے تمام اس نے دشمن کے ملک میں' ان لوگوں کے میل جول میں گزارے جو چند ہی سکوں کے بدلے اس کا راز افشار کر سکتے تھے۔ عربوں کی محافظت سے خود کے علیحدہ ہونے کی ساعت سے لے کر واپسی تک وہ اپنی جان ہتیلی میں لئے رہا۔ اور اس کے متعلق کہا تو یہ کہا۔ "کچھ بات نہیں۔ بعلبک ہو آیا۔"

یہ ایسا جواب تھا جو بچہ اپنی ماں کو کچھ دیر تک غائب رہنے کے بعد دیا کرتا ہے۔ تم قیاس کر سکتے ہو کہ ماں اپنے بچہ سے یہی پوچھے گی "کہاں گئے ہوئے تھے بیٹا؟"

مختلف عمروں اور تمام ملکوں کے بچے حسب عادت یہی جواب دیں گے اونہہ! میں تو کھیل رہا تھا۔

کہنے سننے میں اور تیاریوں میں کافی وقت گزر چکا تھا۔ اس لئے لارنس کی اپنے پراسرار سفر سے واپسی کے دوسرے ہی دن عقبہ کی مہم کی دوسری منزل شروع ہوگئی۔

یہ جماعت پانسو منتخب آدمیوں، کرئے سواروں اور ریگستان کے منجھے ہوئے لڑنے والوں پر مشتمل تھی۔ پانی کے اگلے مرکز بیر تک تو سفر تیزی سے طے ہوگیا۔ لیکن یہ معلوم کرکے لارنس کو ناخوشگوار حیرت ہوئی کہ دو کنوؤں کو ترکوں نے اڑا دیا ہے اور پانی کو زہر آلود کرنے کے لئے مردہ اونٹ ان میں ڈال دیئے ہیں ۔ بلاشبہ دشمن کو سرہان میں جمع ہونے والے عربوں کی تعداد کی طرف سے شبہ پیدا ہوگیا تھا۔ اور وہ اس علاقہ کے پانی کے ذخیروں کو تباہ کرکے ان کی نقل و حرکت کو روک دینا چاہتے تھے۔

اس کے معنی مزید تعویق کے تھے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ترک کیا کیا نقصان پہنچا رہے ہیں نیز ان قبیلوں سے دوستی گانٹھنے کے لئے جو عقبہ کے راستہ پر قابض تھے، جنوب کی طرف قاصد دوڑائے گئے۔ لارنس جفر کی طرف بڑھا جہاں کنویں جزوی طور پر تباہ کئے گئے تھے۔ اور یہاں بھی اور زیادہ قیمتی وقت ان کنوؤں کو آب رسانی کے قابل بنانے میں صرف ہوگیا۔

پانی ہی سب سے زیادہ قیمتی چیز تھا۔ ایک وقت کی غذا کو نظرانداز کیا جا سکتا تھا لیکن پانی پر موت و حیات کا انحصار تھا۔ اور ہر تباہ شدہ کنواں موت کے بہت زیادہ قریب آلگنے کا امکان پیدا کر دیتا تھا۔

تیزی اور بے چینی سے کام کرکے انھوں نے کنوؤں سے کوڑا کرکٹ اور پتھروں کو باہر نکالا۔ جو ڈائنامائیٹ سے اڑا کر ان میں جھونک دیئے گئے تھے۔

آخرکار پانی تک رسائی نصیب ہوئی جس سے اونٹوں اور انسانوں کی جان میں جان آئی۔

ترکوں کی اِس ناروا حرکت کا توڑ ضروری تھا۔ اس لئے لارنس نے ریلوے پر ایک فوری حملہ کی تیاری کر لی تاکہ ان کی توجہ صحرا کے عربوں سے ہٹ کر اپنی قریب تر مصیبت کی طرف مرکوز ہو جائے۔

یہ ایک پُرتفنن صورتِ حال تھی۔ ترکوں نے کنوؤں کو تو اڑا دیا تھا اور خود یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ "اسی پر حملہ آور عربوں کا خاتمہ ہے"۔ چند ہی میل کے فاصلہ پر مآن کی ترکی محافظ فوج بھی اس صورت حال سے بے اِنتہا خوش تھی اس لئے کہ یہاں سے سواروں کا ایک دستہ گستاخ عربوں کی تادیب کے لئے وادی سرحان کو گیا ہوا تھا۔ وہ سمجھے کہ عربوں کے خاتمہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

جو بات ان کے علم میں نہ تھی وہ یہ تھی کہ عرب ان کی نظر بچا کر نکل چکے تھے اور سواروں کا دستہ گویا جنگلی ہنس کے پیچھے دوڑا چلا جا رہا تھا۔ انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ "ذلیل عرب" ان کنووں تک پہنچ چکے ہیں جہاں پانی کافی مقدار میں تھا۔

لارنس بڑی پھرتی سے غدیر الحج کے ریلوے اسٹیشن تک جا پہنچا جو مآن سے چند ہی میل جنوب میں واقع تھا۔ یہاں کے محافظ دستہ نے ۵۰۰ گرجتے عربوں کو جو دیکھا تو بھونچکا کر رہ گئے۔ اور مستقر کی چوکی پر بھاگ کر پناہ لی۔ اور لارنس کو اپنے کام میں مشغول دیکھتے رہے۔

لارنس نے بھک سے اڑ جانے والا مادہ اس طرح پھیلایا کہ دس پل اور اُن کے درمیان کی ریلوے لائن کو اڑا دینے کے لئے کافی تھا۔ ہر دفعہ کے

اڑنے میں پتھروں اور گرد و غبار کا طوفان بلند ہوتا۔ اور شمال و جنوب میں ترکوں کی چوکیاں اِن دھاکوں کو سن سن کر بدحواس ہو جاتیں۔ بستفر کے ترک عہدہ دار لارنس کو روکنے میں بے بس تھے اور دہشت آفریں برقی تار اِدھر اُدھر دوڑا رہے تھے کہ ہزاروں عرب ہم پر چڑھ آئے ہیں۔ لائن تباہ کر دی گئی۔ پلوں کو اڑا دیا گیا۔

لارنس بس یہی چاہتا تھا کہ ترک بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگیں تو وہ ایک بہت ہی اہم چوکی اباال لسان پر ضرب لگا کر ریلوے لائن سے اس کا تعلق بالکل توڑ دے اس چوکی سے درۂ Neghelshtar کی محافظت ہوتی تھی اور جب تک اس پر دشمنوں کا تسلط باقی رہتا لارنس کا عقبہ تک پہنچنا ناممکن تھا۔

Neghelshtar ایک پہاڑی کا نام ہے۔ جہاں سے چند فٹ کا تنگ ڈھلوان راستہ نیچے آتا ہے۔ یہ اِتنا ڈھلوان ہے کہ پیچ و خم کھاتا ہوا نیچے تک پہنچا ہے۔ اس کے دونوں بازوؤں پر گہری گھاٹیوں میں محض نشیب ہی نشیب تھا۔ اور ذرا سی چوک کے معنی کئی سو فیٹ نشیب میں گر کر مر جانے کے تھے۔ جب تک اس درہ پر ترکوں کا قبضہ باقی تھا لارنس کا اس میدان تک پہنچنا ناممکن تھا جہاں سے عقبہ کی سڑک شروع ہوتی تھی۔ اور اگر وہ اس کو فتح کر لیتا تو اس کے لئے راستہ صاف تھا اور ترکوں کو لائن کی طرف پیچھے ہٹ جانا پڑتا۔

یہ کام بظاہر بہت آسان معلوم ہوتا تھا۔ لیکن لارنس نے جب سنا کہ Abael Lissan ، اباال لسان کی محافظت کے لئے بجائے مختصر سی فوج کے ۹۰۰ طاقتور سپاہیوں کا دستہ مشین گنوں سے لیس ہو چکا ہے

تو اسے زبردست دھچکا لگا۔

اس کو سر کرنا لوہے کے چنے چبانا تھا۔ لیکن لارنس نے ہمت نہیں ہاری۔ ترک بندھے ہوئے تھے۔ خندقوں میں اور چوکیوں سے لڑنے کے لئے ان کی تربیت ہوئی تھی۔ اور عرب گوریلا لڑائیوں کے ماہر تھے کمین گاہوں سے گولیاں چلانا، چھاپے مارنا اور بھاگ جانا جانتے تھے۔ لارنس نے سوچا کہ انھیں عربوں کی مدد سے ترکوں کو اتنا خستہ کر دینا چاہیئے کہ بالآخر وہ بھاگ کھڑے ہوں۔

عین اس وقت جب کہ ترک پُر گیاہ ڈھلوانوں پر اپنے خیموں میں چین کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ لارنس نے اپنی فوج کی ٹکڑیاں بنائیں اور ہر ٹکڑی کو اطراف کی پہاڑیوں کی کمین گاہوں میں بھیج دیا تڑکے کی ٹھنڈی گھڑی تھی۔ اور لارنس اس قاصد کا منتظر تھا جو آکر یہ کہنے والا تھا کہ ریل کی سڑک کے ٹیلگراف کی لائین کاٹ دی گئی ہے۔ اس سے ترکوں کے کمک طلب کرنے کا سدِّ باب ہو جاتا تھا۔

جوں ہی یہ خوش آیند خبر ملی اس نے اپنی بندوق اُٹھا کر کندھے سے لگا دی۔ دشمن کے کیمپ کی طرف اس کا پہلا فیر ہونا ہی تھا کہ عربوں نے کمین گاہوں سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔

ترک چیختے چلاتے بے ترتیبی سے گڑبڑا کر اپنے خیموں اور کمبلوں سے باہر نکل آئے۔ لارنس دوسرے ناگہانی حملے کے لئے بھی تیار تھا۔ عربوں کے پاس Mountain قسم کی بندوقیں تھیں۔ ان سے فوراً کام لیا جانے لگا۔ شعلوں کے پھٹ پڑنے پر عرب ہنستے لگے۔ عرب اس چٹان سے اس چٹان پر بھاگے پھرتے تھے۔ کسی ایک حالت میں کھڑے نہ ہونے

کے سبب ان کو نشانہ بنانا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ کہیں کہیں ایک آدھ ترک بازوؤں کو ڈھیلا چھوڑ کر زمین پر گر پڑتا اور جان دیدیتا۔ بعض ایسے تھے جو زخموں کی مرہم پٹی کے لئے گھسٹتے ہوئے کھسک جاتے۔

صبح کی ٹھنڈی ہوا اب ختم ہو چکی تھی۔ چٹانیں اتنی گرما گئی تھیں کہ ان کے نیچے پناہ لینا مشکل ہو گیا تھا۔ اور مسلسل چھوٹتے رہنے سے بندوقیں بھی اتنی گرم ہو گئی تھیں کہ انھیں ہاتھ میں نہیں لیا جا سکتا تھا۔ ترکوں کو یہ دھوکہ دینے کے لئے کہ پہاڑیاں آدمیوں سے پٹی ہوئی ہیں اب چٹان بہ چٹان دوڑنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ خود عرب بہت جلد جلد تھکتے جا رہے تھے اور پانی کی بوتلیں تقریباً خالی ہو چکی تھیں۔ لیکن سخت دھوپ کی اذیت کے باوجود لارنس کو بہر حال لڑائی جاری رکھنا تھی چٹانیں اتنی گرم تھیں کہ نشانہ جمانے کے لئے جب کھڑے ہوتے تو زمین کی گرمی ان کا گوشت جلا ڈالتی۔ بندوقوں کا لوہا اس سے بھی زیادہ گرم تھا۔ عرب بھی صحیح وسالم بچ کر نہیں نکل رہے تھے کسی چٹان کے پیچھے پڑی ہوئی ٹانگیں یا کسی چٹان کے پیچھے پر لٹکتے ہوئے ہاتھ اس قربانی کے خاموش گواہ تھے جو انھیں اپنی جنگ آزادی میں دینی پڑی تھی۔

پیاس کا مارا لارنس، سایہ میں دم لینے کے لئے ایک چٹان کے پیچھے ہو لیا۔ اور عین اسی وقت بوڑھا اعدا اس کے قریب آن پہنچا۔ اور یوں طعنے سنانے لگا۔

یہ کیا حماقت ہے۔ صرف بکواس ہی بکواس اور کام کچھ بھی نہیں۔

گرمی نے لارنس کو بہت بدمزاج بنا دیا تھا۔ اس نے بگڑ کر کہا۔

" بالکل غلط کہتے ہو۔ ساری مصیبت یہ ہے کہ تمہارے آدمی بندوق

چلاتے تو بہت ہیں لیکن نشانہ بہت کم کو بناتے ہیں۔

اعدا انتہائی غضب ناک ہو گیا۔ اور یہ چیخ کر گھوڑا لانے کا حکم دیتے ہوئے تیزی سے پہاڑی کے اوپر بھاگا۔ اس کے بعض آدمی بھی اس کے پیچھے جھپٹے لارنس بھی اس پہاڑی کی چوٹی پر جا پہنچا جہاں غضب ناک اعدا کھڑا قسمیں کھا رہا تھا۔

لارنس نے پوچھا۔ بہت خوب! اب کیا ہوگا۔

اعدا نے جواب دیا۔ اونٹوں پر بیٹھکر میرے پیچھے آؤ اگر یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ ایک بوڑھا آدمی بھی کیا کچھ کر سکتا ہے۔

قبل اس کے کہ اس کو روکا جائے وہ گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا اور اسی کے ساتھ پانچ اور گھوڑے سواروں نے اس کی تقلید کی۔ للکار کر اپنے آدمیوں کو پہاڑی سے ہٹ جانے کا حکم دیتے ہوئے لارنس اپنے اونٹ کی طرف جھپٹا۔ وہ جوش سے دیوانہ ہو کر دوڑ پڑے۔ اور جب اپنی سواریوں پر سوار ہوئے تو انھیں ایک تیز چیخ سنائی دی۔ اور معاً بعد اعدا پہاڑی پر سے، چشم زدن میں، راست ترکوں پر حملہ آور ہوتا نظر آیا۔ اب صرف ایک کام باقی رہ گیا تھا۔ اگرچہ کہ یہ بظاہر موت کے گھاٹ اترنا معلوم ہوتا تھا لیکن اعدا کی مدد ضروری تھی۔

لارنس نے نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اتنا بے دم ہو چکا تھا کہ چیخ بھی نہ سکتا تھا۔ اشارہ پاتے ہی اونٹ والوں نے از خود رفتہ ہو کر تاخت کر دی۔ پہاڑی پر گولیاں برسنے لگیں۔ شتر سواروں کی صفوں میں نامبارک رخنے پڑ چکے تھے۔ جس کے بعد اونٹ والے بھاگتے ہوئے جنگھٹے کے راستے پر پڑ لئے۔ لارنس کے دونوں بازوؤں سے ان لوگوں نے

اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ ہاتھ بلند کر لیئے۔ اور جوں ہی جھپٹ پڑے یکایک پر ہیبت طریقہ پر بدحواس اونٹوں کے پانووں میں کچلے جانے لگے۔

طبی امداد کا کوئی موقع نہ تھا۔ پس جو گھائل ہو کر گرا وہ ختم ہو گیا۔

ترک مقابل میں اپنی صفوں میں جمے ہوئے تھے۔ شہ سواروں نے ان پر ضرب لگائی اور ان میں گھس پڑے اور رخ بدل بدل کر ان کے میمنہ و میسرہ پر حملے کئے۔ لارنس کی سرکردگی میں اونٹ والے ترکوں کو پیستے ہوئے ان میں گھس پڑے۔ اور دائیں بائیں طرف پلٹ کر ان کو محصور کر لیا۔ یہ سب کچھ آناً فاناً دم کے دم میں ہو گیا۔ جو تاخت پہلے ناممکن دکھائی دیتی تھی وہ اب فتح میں بدل گئی تھی ڈھلاؤں پر ۳۰۰ سے زائد لاشیں بے ترتیب پڑی ہوئی تھیں۔ اور ان ہی کے خیموں کے باقیات کے قریب ۲۰۰ ترک قیدی پکڑ پکڑ کر ڈالے گئے تھے۔ اور جو باقی تھے وہ تنگ وادیوں میں سے ریلوے کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ انتقام کے پیاسے عرب نعرے لگا کر ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ لارنس نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ اعدا کے حملہ کے پیچھے جو مجنونانہ تاخت کی گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لارنس کو اپنے منصوبوں کا انجام نظر آنے لگا۔ وہ اس پر بمشکل یقین کر سکتا تھا کہ صرف گھنٹہ بھر ہی میں ترکوں کی مضبوط صفیں موت اور تباہی کا مقتل بن جائیں گی۔

عقبہ کے لئے راستہ اب کھلا ہوا تھا۔

اعدا جو خون کی پیاس اور تاخت کے ہیجان سے دیوانہ

ہو رہا تھا واپس آیا۔ اس کے پستوں کے غلاف میں گولیوں سے سوراخ ہو گئے تھے۔ اس کی دوربین پاش پاش ہو چکی تھی۔ اور اس کی تلوار کی میان کی دھجیاں اڑ گئی تھیں۔ جب اس کی سواری کا گھوڑا گولی کا نشانہ بن چکا تو اس نے پا پیادہ قتل و خون جاری رکھا۔ اس کے لباس میں نصف درجن گولیوں سے سوراخ ہو گئے تھے لیکن عجیب حیرت ہے کہ وہ خود بے داغ نکل آیا تھا۔

چند گھنٹوں تک عرب ترکوں کے کیمپ میں مال غنیمت کی تلاش کرتے۔ مردوں کے جسم سے وردیاں اتارتے پھرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن صبح میں بیشتر آدمی اپنے لمبے چوڑے عربی لباسوں کے اوپر سپاہیوں کا چھوٹا چست کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے کندھے پر ایک بندوق لٹکتی تھی۔ بعضوں کے پاس دو یا اس سے بھی زائد ریوالور تھے۔ اور بعض ایسے تھے جن کے پاس چھرے تھے۔ ان میں کا ہر ایک ایک چلتا پھرتا فوجی گودام دکھائی دیتا تھا۔

عقبہ کی طرف آخری پیش قدمی شروع کرنے سے پہلے ایک اور چوکی کو سر کرنا تھا جو بہت تنگ وادی میں واقع تھی۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا اس لئے کہ چوکی پہاڑی کی عین چوٹی پر واقع تھی اور اگر وہاں کوئی مشین گن ہوتی تو حملہ آور دستہ کا چوٹی تک پہنچنے سے پہلے ہی خاتمہ ہو جانا یقینی تھا۔

یہاں پھر لارنس کی غیر معمولی قابلیت کی دوسری مثال ملتی ہے کہ کس طرح اس نے ایک عجیب اور انوکھی صورت حال سے بہتری کی صورت نکالی۔

عربوں نے جب چوکی کو دیکھا تو چاند کی روشنی میں چٹان کی چوٹی پہ نظر آنے والے صاف منظر کی طرف اشارہ کرنے لگے۔ انھوں نے بڑے

اکھڑ پن سے کہا کہ چوکی پر حملہ کی کوشش کرنا دیوانہ پن ہے۔

لارنس ہنس پڑا۔ اور کہا کہ ہم آج ہی رات کو اس چوکی پر قبضہ کرلیں گے۔

عرب مشتبہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

لارنس نے کہا۔ گھنٹہ بھر میں چاند کی روشنی غائب ہوجائے گی اور اس وقت ہم حملہ کر دیں گے۔ عربوں نے دوبارہ اسے شبہ کی نظر سے دیکھا۔ آسمان کی وسعت چاند کی خنک روشنی سے جگمگا رہی تھی۔ اَبر کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

لارنس نے اِصرار سے کہا۔ اے طعنہ دینے والو! چاند اب غائب ہوجائے گا۔ کچھ دیر کے لئے آسمان کی فضا سے روپوش ہوجائے گا۔ اور ہم دشمن پر قابو پالیں گے۔ لارنس جانتا تھا کہ اس رات گہن پڑنے والا تھا۔

یہ ایک انوکھا منظر تھا۔ لارنس کے ہر قول وفعل پر عربوں کو ایسا اِعتماد ہوتا کہ، وہ اپنی فہم وبصیرت سے قطع نظر کرکے، اس موعودہ فسوں گری کا کرشمہ دیکھنے کے لئے چٹان کے سایہ میں کھڑے ہوگئے۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ لیکن آسمان پر ابر کا کوئی ٹکڑا بھی نمودار نہ ہوا۔ یکایک کسی عرب نے آسمان کی طرف اِشارہ کیا۔ سروہی کے خم کی طرح چاند پر سایہ سا آگیا تھا۔ عربوں نے حیرت سے منہ کھول دیا اور ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگے۔ سایہ بڑھتا گیا۔ اور انھوں نے اپنے قائد کی طرف نگاہ ڈالی۔

لارنس نے سر ہلادیا۔ گویا وہ کہہ رہا تھا۔ دیکھا؟ میں یہی کہتا تھا نا! پہاڑی کی چوٹی پر توہم پرست ترکوں کا دھیان بھی اس سایہ کی طرف

دوڑگیا تھا۔ اُن کے نزدیک یہ بلائے آسمانی تھی۔ انھوں نے سمجھا ابر سے پاک صاف آسمان پر کوئی بڑی بلا چاند سے روشنی چھین رہی ہے۔ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ بلا کے دفعیہ میں آواز بہت اثر رکھتی ہے۔ اسی خیال سے وہ اپنی سنسان چوکی کے باہر کھڑے برتن اور تھالے پیٹنے لگے۔ اور اپنی انتہائی اونچی آواز میں چیخنا چلانا شروع کیا۔

انھوں نے اس بلیاتی سایہ کی طرف بندوقیں بھی سر کیں۔ ان کی تمام مناجاتوں، بددعاؤں اور چیخ و پکار کے باوجود آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر چاند نظر سے محو ہو گیا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو لارنس تنگ راستہ سے اپنے لوگوں کو لیکر اوپر بڑھا۔ اور عین اسی وقت جب کہ ترکوں کا خوف و ہراس اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا ـــــ اس لئے کہ اب چاند آسمان سے بالکل روپوش ہو چکا تھا ـــــ اس سے بھی زیادہ بدشگون سلئے ان کے اطراف جمع ہو گئے۔ اور ان کی سپہ گری کا وہیں خاتمہ ہو گیا۔

لارنس کے اس کارنامہ کی عربوں میں دھوم مچ گئی۔ انھوں نے سمجھا کہ ان کا قائد یقیناً کوئی فوق البشر ہستی ہے۔ اس لئے کہ آسمان تک اس کے زیر اقتدار ہے۔ اس نے اتنے روشن چاند کو مسخر خیال کیا اسلئے اس کی روشنی ہی ختم کر دی۔ ـــــ خدا کی پناہ! جو شخص یہ تک کر سکتا ہو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

سکوت اور خاموشی کا خیال نہ رکھکر عرب آگے بڑھے۔ اور جب چٹان کی چوٹی پر پہنچے تو گہری نظر سے ہر منظر کو دیکھنے لگے۔ لارنس خوش تھا کہ اس کی توقع کے مطابق اس کا منصوبہ بروئے کار آتا جا رہا ہے۔

تمام ترکی فوجیں عقبہ اور عقبہ کی چوکیوں پر بلالی گئی تھیں۔ انھیں

ایک حملہ کا خوف لگا ہوا تھا لیکن سمندر کی طرف سے!

بڑی احتیاط سے لارنس اپنے آدمیوں کو وادی اِتھم Ithem سے لے کر گزر گیا جس کے بعد وہ ایک نئے اقدام کے لئے تیار ہو گئے۔

لڑائی کی خبریں اور عربوں کی کامیابی کی اطلاعیں پہاڑی خانہ بدوشوں میں بھی پھیلنے لگیں۔ اور وہ دو دو، تین تین کر کے اسی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اور شریک ہوتے جاتے تھے۔ لارنس فضول لڑائی لڑنا پسند نہیں کرتا تھا۔ آدمیوں کی جانیں تلف ہونا اسے گوارا نہ تھا۔ اور یہ بات بھی اسے گوارا نہ تھی کہ خود راست کسی ہلاکت کی ذمہ داری اپنے سر لے۔

سفید جھنڈے کی پناہ لے کر اس نے ترکی عہدہ دار سے ربط ضبط پیدا کیا اور اس سے بات چیت کی۔ اس سے قبل دو سفید جھنڈوں والے قاصد گولی کا نشانہ بن چکے تھے۔ ترکی عہدہ داروں نے حیرت اور کسی قدر خوف سے ان دہشت ناک فوجوں کو دیکھا جو لارنس کے پیچھے کھڑی تھیں۔

لارنس نے کہا! یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہم طاقتور ہیں اور لمحہ بہ لمحہ طاقتور ہوتے جاتے ہیں اور آپ نہ تو پیچھے ہی ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے ہی بڑھ سکتے ہیں۔

لارنس اس وقت تک خاموش رہا جب تک کہ یہ کھلی ہوئی حقیقت اس کے دل میں اُتر نہ گئی۔ اور پھر بالکل غیر ارادی طور پر کہا۔ میرے آدمی غضب ناک ہو رہے ہیں۔ انھیں ترکوں سے نفرت ہے۔

ترکی عہدہ دار نے اس پستہ قد، مسکین چہرے لیکن تیز آنکھوں والے شخص پر نظر دوڑائی۔ اس کے لفظوں کا تحکم، اس کی پراسرار وضع قطع، اور ناقابل گزر پہاڑوں سے لائی ہوئی اس کی چھوٹی سی فوج ——

ان سب نے مل کر اس کو بالکل مغلوب کر دیا۔

ترکی عہدہ دار نے کہا" میں دست بردار ہوتا ہوں۔

اور اس کے معاً بعد کہا۔ میں کس کے حق میں دست بردار ہونے کی عزت ——

لارنس نے اس کے منہ سے بات چھین لی۔ اور اپنے پیچھے کے آدمیوں کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔ اور کہا۔

تم شریف مکہ کی ان افواج کے حق میں دست بردار ہو جاؤ۔

لارنس پلٹ کر اونٹ پر سوار ہو گیا۔ اور اپنے آدمیوں کو ہاتھ کے اشارے سے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ڈھلانوں پر سے سمندر تک پہنچنے کے لئے مجنونانہ گڑبڑ کے ساتھ دوڑ شروع ہو گئی۔ جہاں پہنچ کر وہ اطمینان کی گہری سانسوں میں گویا نہا گئے —— اور اس طرح عقبہ فتح ہو گیا۔

ان کے خشک جسم تسکین بخش پانی کو مس کرنے کے مشتاق تھے۔

لیکن لارنس کو یہاں بھی آرام کہاں! اس کے سارے آدمی بھوکے تھے۔ دو دن سے انھیں بہت کم غذا ملی تھی۔ اور یہاں اس بندرگاہ میں پانسو لڑنے والے سپاہیوں اور سات سو قیدیوں کے اضافہ کے سبب غذا بہت عرصہ تک کفایت نہیں کر سکتی تھی عربوں کا خیال تھا کہ قیدیوں کو بھوکا ہی رکھا جائے لیکن اس کو جائز نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ وقتاً فوقتاً اونٹوں کو ذبح کرنے سے بھی کام چل سکتا تھا۔ لیکن اونٹوں کی شدید ضرورت تھی۔ اس لئے کہ صحرا میں ہتیار بند پیدل فوج کی رفتار بہت سست ہوتی ہے۔ اور موت سے مفر نہیں ہوتا۔ عقبہ پہنچ کر اس نے اطمینان کی سانس بھی نہ لینے پائی تھی کہ پھر اسے سفر پہ

روانہ ہونا پڑا۔

آرام کے چھوٹے چھوٹے وقفوں سے قطع نظر لارنس اور اس کے ساتھی دو مہینہ سے مسلسل کوچ کرتے آئے تھے۔ اور اسی مدت میں خود لارنس کا بعلبک کا سخت دھاوا اور وہاں سے واپسی بھی شریک ہے۔ اب اس کی جسمانی قوت تقریباً جواب دے چکی تھی۔ لیکن اس کی مدد کے بغیر اس کے آدمیوں اور قیدیوں کے لئے فاقہ کشی کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ عقبہ کو فتح کرنے کے بعد اس پر تسلط باقی رکھنا بھی ضروری تھا۔

اس کے پاس نہ تو پیسہ تھا اور نہ غذا۔ گولہ بارود بھی بہت کم تھا۔

یہاں سے ڈیڑھ سو میل پر سوئز واقع تھا۔ اور راستہ اب تک طے کئے ہوئے ریگستان سے بھی بدتر ریگستان میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ پھر ایک دفعہ لارنس کو طے کرنا پڑا کہ قاصد کو دوڑائے یا خود جائے۔ اب بھی اس نے وہی کیا جو اس کے لئے کھلی ہوئی حقیقت تھی۔ اس نے ۸ شتر سوار اور ۸ اونٹ ایسے منتخب کئے جو اوروں کی بہ نسبت بہتر حالت میں تھے۔ اور اپنے لئے بھی بہتر سے بہتر اونٹ کا انتخاب کرلیا۔ جو وہاں میسر آسکتا تھا۔ اس کی اسے ضرورت بھی تھی۔ گزشتہ مہینہ وہ تقریباً ۵۰ میل ہر روز کے حساب سے سفر کرتا رہا تھا۔ اور اس آخری سفر میں اس نے کوشش کی کہ اس ریکارڈ کو بھی توڑ دے۔ اگر وہ قاصدوں کو بھیجتا اور وہ پہنچ بھی جاتے تو ۹۹ فیصد ان پر یقین نہ کئے جانے کا امکان تھا۔ اس لئے کہ عقبہ کو فتح کرنے کے لئے ۵۰۰ میل کا پھیر لگا کر آنا ایک ایسا منصوبہ تھا جس سے بہت سے بہت دو یا تین آدمی واقف تھے۔ اور وہ بھی اس کے امکان پر بمشکل یقین کرسکتے تھے۔ قوی امکانات اس منصوبہ کے خلاف تھے۔ اس لیئے

ضروری تھا کہ اِس سفر میں بھی لارنس خود ہی قیادت کرے۔

یہ ایک اذیت رساں اور سنگدلانہ سفر تھا۔ لارنس اپنی زائل شدہ قوت کو اکسانے کے خیال سے اپنے ساتھیوں کو خود سے آگے رکھا۔ اس ڈیڑھ سو میل سے زائد فاصلہ میں، ۷۰ میل کے اختتام پر صرف ایک جگہ پانی کا ذخیرہ تھا۔ لارنس یہاں پہنچا بھی اور یہاں سے گزر بھی گیا۔

نو تھکے ہارے آدمی ـــــ جن میں سے ۸ ریگستان کے پیدائشی اور نواں البتہ اجنبی ملک کا تھا۔ سینائی پہاڑیوں کے ریگستان میں خود کو اور اپنے اونٹوں کو آگے ڈھکیلے چلے جاتے تھے۔ جب ایسا محسوس ہونے لگا کہ اس ریگستان کا کنارہ کبھی ملے گا ہی نہیں تو ال شط نظر آیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی چھاؤنی تھی جو سوئز کے گویا مخالف جانب واقع تھی یہاں عموماً فوجیں رہا کرتی تھیں لیکن اب ویران تھی۔ اس خالی عمارت کو لارنس دیکھتا بھالتا پھر رہا تھا کہ اسے ایک ٹیلیفون نظر آیا۔ بات کرنے پر سوئز سے ٹیلیفون کا جواب ملا۔ ایک ایسی چھاؤنی سے گھنٹی کی آواز سنکر جو خالی کر دی گئی تھی، سوئز والے حیرت زدہ سے ہو گئے۔

"ہلو"! اس آواز میں سوال، حیرت، شک و شبہ سبھی کچھ تھا۔

"کیا آپ میرے سوئز آنے کے لئے کشتی بھیج سکتے ہیں؟"

یہ کہنا کہ ٹیلیفون لائن کی دوسری جانب کا آدمی یہ سن کر صرف حیرت زدہ ہو گیا اس کو گھٹا کر بیان کرنا ہے۔ اس کے نزدیک ساری کارروائی سراسر جھوٹی تھی۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ کشتی بھیجنے کا مجاز بھی نہیں تھا۔ اِس لئے یہ کام اس کے صیغہ سے غیر متعلق تھا۔ یہ بات کس کے خیال میں آ سکتی ہے کہ کرایہ کی موٹر کی طرح، فرمائش پر کسی کو کشتی بھی مل سکے گی۔

لارنس اکتا گیا لیکن پھر بھی تحمل سے کام لیا۔ اور دوبارہ ٹیلیفون پہ بات کرنے کی کوشش کی۔ جواب بلا یہ بڑے میاں ——— یا جو بھی تم ہو ——— افسوس کہ اس وقت میرے پاس کوئی کشتی نہیں ہے؟

"لیکن مجھکو اس کی فوری ضرورت ہے؟" لارنس نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

افسوس! یہ اس وقت نہیں ہو سکتا۔ صبح میں البتہ میں بھیج سکونگا۔ کیا اس سے آپ کا کام چل سکے گا۔

جی نہیں: بالکل صفائی کے ساتھ لارنس نے اس سے کہا۔

اس کے بعد پھر لارنس نے گفتگو کرنے کی کوشش کی۔ اور اس سے بڑھکر اور بہت کچھ کہا۔ لیکن سوئز کا بات کرنے والا عقبہ سے ٹیلیفون کا سلسلہ توڑ چکا تھا۔

اس کے بعد ہی ایک دوستانہ آواز سنائی پڑی۔ اور تھوڑی سی وضاحت کے بعد لارنس کا ٹیلیفون دوسرے محکمہ سے ملا دیا گیا۔

یہاں اس کے التماس کی فوراً پذیرائی ہوئی۔ اور دو تین گھنٹہ بعد سوئز کے عہدہ داروں کو ایک دہان پان، سرخ رو عربی لباس میں ملبوس شخص ساحل پر اترتا نظر آیا۔ جو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں پر یکساں قدرت رکھتا تھا۔ تحکمانہ انداز میں جو بھی حکم دیتا اس کی فوراً تعمیل ہوتی۔

یہاں اس نے گرم پانی سے غسل کئے۔ ٹھنڈائیاں پیں۔ اور بستر پہ سونا اسے میسر آیا۔ یہ ایسی راحت تھی جو خواب ہی معلوم ہوتی تھی۔

دوسرے دن وہ قاہرہ روانہ ہوگیا۔ اسمٰعیلیہ پر اس کو گاڑی بدلنا تھی۔ وہ یہاں ٹھہرا ہوا ہی تھا کہ امیر البحر ویمز نظر آئے جو خود بھی قاہرہ جانے والی گاڑی کے منتظر تھے۔ لارنس ان سے بات کرنے بڑھنا چاہتا تھا کہ ایک زرق برق جرنیل کی آمد کے سبب اس کو رک جانا پڑا۔

امیر البحر اور جرنیل دونوں چہل قدمی کرتے رہے اور عہدہ داروں نے ہر طرف سے انھیں سلامی دی لارنس ٹکٹکی باندھے انھیں دیکھتا رہا۔ اور اِستنے مستقل طور پر کہ اسٹاف کا ایک عہدہ دار اس کے قریب آن پہنچا۔

عربی لباس میں ملبوس اس ذرا سے نرالے آدمی کا یہ اِنہاک اس عہدہ دار کی سمجھ سے باہر تھا۔ اس کی حیرت ابھی ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ لارنس بول اُٹھا۔

"میں امیر البحر ویمز سے بات کرنا چاہتا ہوں"

اِس حقیر شکستہ حال عرب کی زبان سے آکسفورڈ کی خالص انگریزی جو سنی تو اسٹاف کا کپتان اِتنا حیرت زدہ ہوگیا کہ اس کے التماس کا کوئی جواب اس سے نہ بن پڑا۔ اس لئے لارنس کو اپنا سوال دہرانا پڑا۔

اسٹاف کے عہدہ دار نے حیرت سے منہ کھول دیا۔ اور سنتا رہا۔

لارنس! یہ نام اس نے کہیں سنا ہے۔ معاً اس کو یاد آگیا۔ وہ بڑے پرجوش انداز میں لارنس کو امیر البحر کے پاس لے گیا۔ لارنس وقت ضائع کرنے کا عادی نہ تھا اس لئے فوراً کہہ اٹھا۔

میں نے عقبہ فتح کرلیا ہے۔ اور وہاں میرے آدمی بھوکوں مر رہے ہیں۔ ایک جہاز غلہ کی مجھے فوری ضرورت ہے۔ کیا آپ اس کا انتظام کرسکتے ہیں۔

امیرالبحر ویمز اور ان کے اسٹاف کے عہدہ داروں کا اعتماد قابل تعریف ہے کہ اس قسم کے بیانوں پر رد و قدح میں وہ وقت ضائع نہیں کیا کرتے تھے۔ یہ خبریں سن کر وہ چکرا سے گئے تھے۔ اور اس عجیب انگریز کا نام ان سچے اور من گھڑت قصّوں سے وابستہ ہوتا جاتا تھا جو فوجی اور بحری حلقوں میں گشت لگایا کرتے تھے۔

غلہ جہازیں بھرا گیا۔ اور اسی وقت عقبہ بھجوا دیا گیا۔

اِس کٹھن کام کی طرف سے لارنس کو اطمینان ہو گیا تو وہ قاہرہ کو روانہ ہو گیا۔ وہاں وہ دبے پاؤں اپنے افسر اعلیٰ جرنیل کلیٹن کے پاس جا پہنچا۔ دروازہ کھلنے پر جرنیل نے نگاہ اٹھائی اس عرب کی ناگہانی آمد پر اور اس کو سامنے کھڑا پاکر وہ کچھ متحیر سے ہوئے اور کسی قدر تیکھے پن سے کہا۔ میں مصروف ہوں۔

لارنس نے انگریزی میں جواب دیا۔ کیا میرے لئے بھی۔

جرنیل حیرت اور خوشی سے کرسی سے اچھل پڑے۔ اور لارنس نے گزشتہ مہینوں کی ساری داستان کہہ سنائی۔

۷

لارنس کے اس غیر معمولی معرکہ سے مصر کے فوجی صدر مقام والوں کو ایسا اچنبا ہوا کہ ان کے ہوش بہت دیر میں بحال ہوئے۔ لیکن جرنیل اِلن بائے لارنس کے منصوبہ پر دھیان دینے لگے۔ تین ماہ تک عقبہ میں مرکز کے قیام اشیاء کی فراہمی اور فوجیوں کی تربیت کے اِنتظامات کے علاوہ کچھ اور نہ ہو سکا۔ لارنس ایک آدھ یا دو تین دن کے لئے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا۔ اور ان معلومات کے ساتھ واپس آتا جس کی اُسے تلاش رہا کرتی۔ یہ پُرخطر کام تھا اس لئے کہ ترک طلائی سکوں کی بڑی بڑی رقمیں لارنس کا کھوج لگانے پر صرف کر رہے تھے۔ جو ان کے لئے اِنتہائی وبال جان بنا ہوا تھا۔ ترکوں کے جاسوس ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ اور اس بات کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ لارنس کو کسی جگہ گھیر لیں۔

محض ڈائنامنٹ کے ایک نئے طریقہ کی آزمائش کے لئے لارنس نے ستمبر ۱۹۱۷ء میں ایک بڑا بھاری جراءت آزما دھاوا امداورا کی ریلوے

پر کیا۔

عموماً اس کام کی وہ بذات خود نگرانی کرتا۔ اور اس موقع پر، اس ریلوے لائن پر کسی ریل گاڑی کی آمد کے انتظار میں اسے چند روز کے لئے ٹھہر جانا پڑا سرنگ بچھا دی گئی تھی۔ اور لارنس نے اس قطعہ زمین پر، جس کے نیچے ایک سرنگ کو دوسری سرنگ سے ملانے والے تار بچھے ہوئے تھے، بڑی احتیاط سے ریت اس طرح پھیلا دی کہ زمین بالکل طبعی اور بے خلل معلوم ہوتی تھی

آخر کار ریل دھواں اڑاتی آ پہنچی۔ اور جب انجن اس مقام پر پہنچا جہاں سرنگ بچھی ہوئی تھی، تو لارنس نے اس کے اڑانے کا حکم دیا۔ دستہ کا نیچے کی طرف حرکت کرنا ہی تھا کہ انجن ہوا میں اُڑ گیا۔ اور پیچھے کے سارے ڈبے پٹری سے اُتر گئے۔ اول تو انھوں نے بھاگنا نہیں چاہا۔ بلکہ بھاگنے اور منتشر ہونے سے قبل، نصف گھنٹہ تک، کسی خندق کا پشتہ بنے کھڑے رہے۔ یہ وقت لارنس اور اس کے ساتھیوں پر بڑی بے چینی سے گزرا۔ آخر کار جب وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو کئی لاشیں اس انسانی کھنڈر میں بے ترتیب پڑی ہوئی تھیں۔

اکتوبر میں ایک چھوٹی سی ٹولی کو لے کر لارنس پھر ریلوے کی طرف گیا اور واپس ہوکر نہایت سنجیدگی سے یہ کہا کہ وہ ایک اور ریل گاڑی کو اڑا چکا ہے، جس میں ۳۰۰ ترک مر گئے اور ۷۰ زخمی ہو چکے ہیں۔

وہ ترکوں کو یہ یقین دلانے کی بساط بھر کوشش کرتا رہا تھا کہ عرب، کسی ایک مقام ہی پر نہیں، بلکہ ریلوے لائن پر ہر جگہ ان کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ترک اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے تھے کہ دوسرا دھاوا کہاں ہوگا۔ ایک دن انھیں خبر ملتی کہ پٹریاں اور اسٹیشن شمالی سمت میں

اڑا دیئے گئے۔ اور دوسرے دن اسی قسم کی خبریں جنوب کی طرف سے سننے میں آئیں۔ انھوں نے چوکیوں کی حفاظت کے لئے مزید فوجیں منگوائیں اور محافظ دستوں میں بھی اضافہ کیا۔ اور اپنا وقت اس حیرت میں صرف کرنے لگے کہ اب کس مقام کے اڑنے کی باری آتی ہے۔ یہ ہتھکنڈے لارنس کا معمول بن چکے تھے۔ ترک یہ جان کر کہ لائن کو مستقل طور پر خطرہ لگا ہوا ہے، ہمیشہ ہر گاڑی کے آگے طلایہ فوجیں بھیجا کرتے جو سڑک کے دونوں جانب مشتبہ نشانوں کی تلاش کرتیں۔ اور یہ معلوم کرنے کے لئے چکریں لگایا کرتیں کہ کہیں پاؤں کے نشان تو نہیں ہیں۔

طلایہ فوج کھوج لگانے آتی اور لارنس ایک ریت کے ٹیلہ کے پیچھے خاموش بیٹھا ان پر آنکھ لگائے رہتا۔ ترک جب چھان بین کرتے پھرتے تو وہ خود ہی چپکے چپکے ہنسا کرتا۔ اور ان کے چلے جانے کے بعد اس زمین کو جہاں اس نے سرنگیں اور تار بچھا رکھے تھے، پاؤں سے روند ڈالتا۔

ترکی قائد اپنے لوگوں کو ایک جگہ جمع کرتا۔ ہر بات کا اطمینان کر لیا جاتا اور پھر گاڑی کو آگے بڑھنے کے لئے جھنڈی ہلا دیتا۔

لارنس معلومات حاصل کرنے کے لئے ہر وقت جھوٹے قاصد بھجوایا کرتا۔ اور ہمیشہ غلط افواہیں پھیلاتا رہتا۔ مثلاً وہ یہ اطلاع بھیجتا کہ فلاں مقام پہ حملہ کے لئے ۵۰۰ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ جاسوس یہ خبر ترکوں تک پہنچائے گا اور ترک قریب ترین چھاؤنی سے مطلوبہ آدمی بھیج دیں گے۔ اس کے بعد انھیں جو اطلاع ملے گی وہ یہ ہو گی کہ جس چھاؤنی سے فوج بھجوائی گئی تھی اسی پر حملہ ہوا اور وہ لوٹ لی گئی۔

ناگہانی حملوں کے اس اصول کو مدنظر رکھ کر اکتوبر کے آخری دنوں میں

لارنس ایک دور دراز مہم پر روانہ ہوگیا۔ اس دفعہ تاخت کے لئے لارنس نے اس پل کو چھانٹا تھا جو وادی یرماک پر کھڑا ہوا تھا اور درۂ دانیال کی مغربی پہاڑیوں کے لئے ایک اہم کڑی بنا ہوا تھا۔ تل الشباب Tel-el-shebab نامی یہ وہ بڑا پل تھا جو دمشق سے حیفہ جانے والی ریلوئے لائن پر وادی یرماک کے ساحل پر بنا ہوا تھا۔ دشمن کو دھوکہ دینے کی خاطر اس دفعہ بھی وہ طویل پھیر دار راستہ سے ہوتا ہوا پہنچا۔ لیکن اس سخت سفر کے بعد بھی وہ پل کے اڑانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور دو انجن والی فوجیوں کی ریل گاڑی کو اڑانے ہی پر اکتفا کرنی پڑی۔

لیکن اس دفعہ کے سفر میں وہ ہلاکت کے بالکل قریب تک پہنچ گیا تھا۔ اتنا قریب کہ آیندہ کے لئے اس کی ہیئت ہی بدل گئی۔ وہ اچھی خاصی متوازن طبیعت رکھتا تھا۔ لیکن اس کے بعد وہ درشت سخت گیر اور سخت لڑنے والا لیڈر بن گیا۔

چند دنوں کی فرصت تھی۔ لارنس درۂ دانیال کے قریب کے علاقہ میں جاسوسی کے لئے ایک عرب کو ساتھ لیکر روانہ ہوگیا۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں آیندہ عظیم الشان فوجی کارروائیاں عمل میں لائی جانے والی تھیں۔ یہ علاقہ سب کا سب ترکوں کے تسلط میں تھا۔ لارنس کے کام میں یہی چیز حائل تھی۔ اس لئے کہ اس کو دشمن کی فوجی صفوں کے پیچھے کام کرنا پڑتا جس سے اس کی زندگی کو خطرہ لاحق تھا۔

ترکوں کی طاقت کا اندازہ کرنے نیز یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان پر عربوں کے حملہ کرنے کی کوئی صورت بھی ہو سکتی ہے، لارنس کو ترکوں کی چھاؤنیوں تک جانا ضروری تھا۔ اس کے لئے یہ معلوم کرنا بھی ضروری تھا

ترکوں کی فوجیں کیا واقعی اس قابل ہیں کہ لڑ سکیں اور ان پر حملہ کرنا مشکل ہو یا وہ نوجوان، لڑائی کا تجربہ نہ رکھنے والے لوگ ہیں جو لڑائی کی تاب نہ لا سکیں گے لارنس کے پاس کوئی فوج تو نہ تھی۔ اس لئے اس کو مارنے اور بھاگ جانے کی لڑائی اس وقت تک لڑنی تھی جب تک کہ مقاومت دشمن کے لئے مشکل نہ ہو جائے۔ اس کے بعد وہ ان پر اچانک حملہ کر کے انھیں زیر کر لے سکتا تھا۔

ڈیرہ تک جانے سے قبل لارنس اور اس کا ساتھی ان کپڑوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جو اس علاقہ کے دیسی باشندوں کا لباس تھا اپنے ذاتی لباس کو انھوں نے کسی موزوں مقام پر چٹان کے نیچے چھپا دیا اور نئے کپڑے پہن لئے۔

لارنس کو کسی قسم کا اندیشہ نہ تھا۔ اس لئے کہ اس کا ساتھی تو یہیں کا باشندہ جان پڑتا تھا — اور خود اپنے بارے میں اسے اپنی وضع قطع کی تشریح کے لئے اپنی خوش تدبیری پر اعتماد تھا۔ وہ ٹہلتے ہوئے ایک گلی میں پہنچے۔ اور کسی کی توجہ کا مرکز بنے بغیر بستی کے اندر خاصہ بڑھ آئے یکایک ایک پکار سنائی دی۔ ٹھہر جاؤ۔

لارنس کے دل میں بھاگ جانے کی تحریک ہوئی۔ لیکن اس نے اپنے ساتھی کو روک لیا۔ اور دونوں للکار کی سمت پلٹ پڑے۔

دو ترک سپاہی ان کی طرف بڑھ آئے۔ اور ہر قسم کے سوالوں کی بوچھار کر دی۔ لیکن جواب دینے میں لارنس اپنی عیارانہ ٹال مٹول کے باوجود اس تصویر میں ٹھیک نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھی کو تو چھوڑ دیا گیا لیکن خود لارنس کو کھینچ گھسیٹ کر سپاہی کماندار کے پاس لے گئے۔

"تو کون ہے۔ کیا کرتا ہے۔ کہاں سے آ رہا ہے"

یہ سوالات عربی اور ترکی زبان میں پوچھے گئے۔ اور لارنس نے نہایت سہولت سے ان سب کے جوابات بھی دیئے۔ ترکی عہدہ دار نے اس کے چھریرے جسم کو نیچے اوپر دیکھا۔ لارنس میں کوئی بات ایسی تھی جو اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔

تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو جاسوس ہے۔

جواب میں لارنس نے سر کے اشارے سے نہیں کہا۔

عہدہ دار نے اپنے آدمیوں سے للکار کر کہا۔ "اس کی زبان کھلواؤ"

آدمیوں نے پوری کوشش کی۔ لکڑیوں سے پیٹا۔ لاتیں ماریں۔ اور جب وہ ضربوں سے چور بے دم ہو کر زمین پر گر پڑا تو پھر لاتیں جمائیں۔

عہدہ دار نے اسے اپنے پاؤں پر لا ڈالا۔ لیکن لارنس کی خود رائی اس کے بس سے باہر تھی۔ اس نے لارنس کو جھنجوڑا۔ ترک ایک موٹا، ہٹا کٹا آدمی تھا۔ وہ لارنس کو اس طرح جھنجوڑ سکتا تھا جس طرح شریر کتا چوہے کو جھنجوڑ سکتا ہے۔ لارنس کا ایک ہاتھ پکڑ کر اپنے بوٹ کی ایڑی سے اس کے سر پر اس وقت تک پیٹتا رہا جب تک کہ اس کا چہرہ سرخ اور بدشکل نہ ہو گیا۔

اس پر بھی لارنس نے زبان نہیں کھولی۔

خود اپنی بہیمیت سے تھک کر اس عہدہ دار نے آخرکار غریب کے زخموں سے چور چور جسم کو ڈھکیل دیا۔ سپاہی گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور اسے ایک کوٹھری میں ڈال دیا۔ جہاں ساری رات وہ بے ہوش پڑا رہا۔ صبح میں لارنس کا بند بند ٹوٹ رہا تھا۔ لیکن پھر اسے گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور اس خیال سے کہ شاید اس "ضدی سر" میں کوئی راز چھپا ہوا ہو، ترکوں نے پھر اسی قسم کی بہیمانہ سزائیں اس کو دیں۔

لارنس نے ان پر ایک نگاہ ڈالی۔ گویا وہ اذیت و مصیبت کی خاموشی میں بھی اُنھیں دعوتِ مبارزت دے رہا تھا۔ حتیٰ کہ ان شدائد کی اس میں تاب نہ رہی اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

عہدہ دار نے غرا کر کہا۔

اِس احمق کو یہاں سے اٹھا لے جاؤ۔

لارنس کو پھر اس کمرہ میں ٹھوس دیا گیا۔ رات کے وقت لارنس کو تھوڑا بہت ہوش آیا۔ اور وہ ڈگمگاتے قدموں سے کھڑکی کے قریب کھسک آیا۔ وہاں کچھ دیر تک کھڑا، کھڑکی تک چڑھنے اور باہر کودنے کے لیے قوت اکٹھا کرتا رہا۔ گلی کے آخری کونے پر سنتری ہموار چال سے پہرہ دے رہا تھا لیکن لارنس نے خیال کیا کہ وہ اتنا دور ہے کہ کھڑکی کی طرف دیکھ نہیں سکے گا۔ اور نہ یہاں سے کوئی آواز اس تک پہنچ سکے گی۔ اس کے جسم کے جوڑ جوڑ میں درد تھا۔ درد کے مارے سر پھٹا پڑتا تھا۔ ترکوں کی خوفناک مار کے سبب اس کی آنکھیں نصف کے قریب بند تھیں۔ اس حالت میں بھی وہ کھڑکی کے چوکھٹے تک پہنچ ہی گیا۔ لمحہ بھر کے لیے وہاں لٹکتا رہا اور پھر نیچے کے گہرے سایوں میں خود کو پھینک دیا۔ خوش قسمتی سے بلندی چند ہی فیٹ کی تھی۔ لیکن گرنے کی تکلیف سے مغلوب ہو کر کچھ دیر کے لیے نیچے پڑا رہا قسمت ہی تھی جو وہ شہر سے باہر نکل سکا۔ رات اندھیری تھی۔ وہ ایک سایہ سے دوسرے سایہ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا گیا حتیٰ کہ مکانوں کی تعداد کم ہونے لگی۔ پھر ایک خیمہ سے دوسرے خیمہ کی طرف وہ بڑھتا گیا حتیٰ کہ سامنے کھلی فضا نظر آئی۔

تاروں کی چھاؤں میں وہ اس وقت تک سوتا رہا جب تک کہ دن کی

دھوپ نے اس کو آمادۂ عمل نہ کر دیا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے اس کو ترکوں کی وہ ظالمانہ تعذیب یاد آئی جس میں سے اس کو گزرنا پڑا تھا۔ ایک مجبور انسان سے ان کا غیر انسانی برتاؤ، ان کی بہمیت۔ سب کچھ اس کے دل میں گزر گیا۔

اِس تاریخ سے وہ بالکل بدلا ہوا انسان نظر آنے لگا۔

۸

جب وہ کیمپ واپس ہوا تو اس کی قلب ماہیت سے سب کو دھچکا سا لگا۔ وہ اب خاموش رہنے لگا۔ اور کچھ عرصہ تک کسی قدر جھک کر چلتا پھرتا رہا۔ پل۔ کے دھاوے میں شریپنل گولی اس کے لگی تھی۔ اس کی اس نے کچھ پروا نہ کی تھی۔ گزشتہ چند دنوں کی یاد کو بھلانے کے لئے وہ اب کچھ نہ کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہیں مستقبل کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

موسم بدل رہا تھا۔ دو تین مہینوں تک برف و باراں، ژالہ باری اور بارش کے سبب مہمات میں کھنڈت پڑتی رہی تھی۔ دھاوے اس وقت کئے جاتے جب کہ موسم اس کی اجازت دیتا۔ ریلوے لائن کی مہمیں جاری تھیں۔

عربوں کی دل بہلائی اور ان کے خیال کو مصروف رکھنے کے لئے لارنس نے اچھی ترکیب نکالی کہ ان کے ساتھ پہاڑوں میں چھپ کر ترکوں کو اڑائے ہوئے پلوں کی تعمیر کرتے دیکھا کرتا نئے تختے جما کر

ترک از سرنو پٹریاں بچھاتے۔ اور سڑک اس قابل ہو جاتی کہ ریلیں آجا سکیں عین اس وقت عربوں کا حملہ ہوتا، محافظوں کو مار بھگایا جاتا۔ اور سارا کیا کرایا کام ڈائنا ئمنٹ کے نئے حملہ سے برابر کر دیا جاتا۔

مصر اور عربستان کے درمیان اس کی آمد و رفت جاری رہتی کبھی سمندر کے راستے سفر کرتا کبھی ادھر اُدھر اونٹ پر آتا جاتا۔ اپنے خاکوں میں ہر ممکنہ نقص یا خامی کی اسے تلاش رہتی۔ وہ کوئی چیز بھی بخت و اتفاق کے بھروسہ پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

فوجی صدر مقام کے لوگوں میں اس سے جو بے اعتقادی پیدا ہو گئی تھی وہ اب بدل گئی تھی۔ اور انھیں اس کا علم ہو چکا تھا کہ لارنس کی عجیب و غریب عربستانی مہموں کی مدد کے بغیر ترکوں کو فلسطین سے نکالنے میں بہت دشواری پیش آئے گی۔ اسی بنا پر ہر نئے اقدام کا خاکہ بناتے وقت اس کا خیر مقدم کیا جاتا۔ فوجی چھاونیوں میں عجیب عجیب باتیں اس کے نام سے منسوب ہو گئیں۔ جن میں سے بعض تو صحیح تھیں اور بیشتر غلط اور بے بنیاد۔

عجیب بات یہ تھی کہ فوجی صدر مقام کے عہدہ داروں سے قطع نظر بہت کم لوگ لارنس کو دیکھ پائے تھے وہ ان کے لئے صرف نام ہی نام تھا۔ اس کے ساتھ کے کام کرنے والے اور لڑنے والے بھی اس کو پہلی بار کے دیکھنے کی حیرت کو فراموش کر گئے تھے۔ وہ وہی کرتے جو وہ کہتا اس لئے کہ وہ جانتے تھے وہ کسی بات کا حکم اس وقت تک نہیں دیتا جب تک اس کو یقین نہ ہو جائے کہ حالات کے تحت اس کا منصوبہ پورا ہو کر رہیگا۔ عرب اور انگریز سپاہی جو اس کی مدد کرتے تھے، اب اس کے ہر قول و فعل پر

پورا اعتماد کرنے لگے تھے۔

اگر لارنس کہد یتا کہ فلاں کام کیا جا سکتا ہے تو وہ سب کی نظر و ل میں معقول و مناسب ٹھہرتا۔ اور اگر یہ کہتا کہ فلاں کام نہیں کیا جا سکتا تو وہ اس کو بھول جاتے۔ لارنس کے متعلق ان کا رجحان بس یہی رہتا۔ ہاں البتہ اس چھوٹے سے قد مگر بڑے دل والے انسان سے ان کی سچی محبت بھی اس کے ساتھ ضرور شریک رہتی۔

لارنس کا کچھ وقت مطالعہ میں بھی گزرا۔ جب کبھی فرصت ہوتی وہ چھاؤنی کے طبی عہدہ دار کپتان مارشل کے خیمہ میں Mort d Aurthur کے صفحات میں ڈوبا رہتا۔ موسم پر اس کی بے تابانہ نظر لگی رہتی۔ اوائل ۱۹۱۸ء میں موسم جب کچھ بہتر ہو چلا تو لارنس پھر آمادۂ عمل ہو گیا۔

وہ عرصہ سے تفیلح Tafileh پر دانت لگائے ہوئے تھا جو بحر مردہ کے جنوبی سرے پر واقع ہے۔ جب تک یہ مقام ترکوں کے قبضہ میں تھا اس کے منصوبوں کو برابر خطرہ لگا ہوا تھا۔

حملہ کے لئے فوجی قوت کو یکجا کرنے کی غرض سے وہ سیدھا گویریا جا پہنچا۔ اور تین ہفتہ تک مسلسل شمال کی سمت بڑھتا گیا۔ اس کے بعد تفیلح کے کسی قدر جنوب میں پہنچ کر اس مقام پر مشرق و مغرب اور جنوب کی سمت سے حملہ کرنے کی غرض سے اس نے اپنی فوج کی ٹکڑیاں بنا ڈالیں مہینہ کی ۲۰ ہر تاریخ تک وہ بالکل تیار ہو گئے۔ قریب ترین کا ریلوے اسٹیشن ترف Turf ہتیا لیا گیا تھا اور اس کو تباہ کر دیا گیا تھا لیکن تفیلح پر دھاوے کی پوری تیاری مکمل ہو گئی تھی کہ موسم ناموافق ہو گیا۔

تین دن تک شدید برباری ہوتی رہی۔ اور پھر ایک دفعہ لارنس کو

انگریز عہدہ داروں سے سخت شکایت کا موقع پیدا ہوا۔

عربستان کے متعلق درسی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ وہ ایک گرم ملک ہے۔ یعنی صرف ریت ہی ریت اور تپتا ہوا سورج۔ لیکن برف باری! کیا خوب! یہ عرب شاید پاگل ہوگئے ہیں" فوجی صدر مقام والوں کا یہی رجحان تھا۔ اور اسی بے وقوفی کے سبب ناحق بہت زیادہ مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ حتیٰ کہ اموات تک واقع ہوئیں۔ سرد موسم سے بچاؤ کے لئے لارنس نے زائد کپڑوں، کمبلوں اور خیموں کی فرمائش کی تھی۔ لیکن متعدد عہدہ داروں نے اپنی ناواقفیت کے سبب اس زحمت میں پڑنا گوارا نہ کیا۔

جون میں سردی چمک اٹھی۔ لارنس اور اس کے آدمی مآن کے پرے کی سطح مرتفع پر گھرے بیٹھے رہے۔ یہ سطح مرتفع، سطح سمندر سے ۵ ہزار فٹ بلند ہے۔ سردی ایسی شدید تھی کہ کسی کو اس کی مثال یاد نہ تھی آدمی جلد جلد مرنے لگے۔ اونٹ آگے بڑھنا چاہتے لیکن گر پڑتے اور سڑک کے کنارے چھوڑ دیئے جاتے۔ سردی سے اکڑی ہوئی انگلیاں رائفل چلانے کی کوشش کرتیں لیکن لوگوں کی خواہش اتنی ہی تھی کہ سورج نکلنے تک کونوں کھدروں میں دبکے بیٹھے رہیں۔

ترکوں کو ان کے مسلسل بڑھتے آنے کی خبر مل گئی تھی۔ اور وہ یکے بعد دیگرے چوکی پر چوکی ان عربوں کے خوف سے خالی کرنے لگے تھے جو سورج کی اولاد ہونے کے باوجود برف سے لدی اور پٹی ہوں سڑکوں پر اس بے جگری سے لڑتے بھڑتے چلے آرہے تھے کہ ان کے دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

ترک جانتے تھے کہ عرب طویل طویل مہموں کے حریف نہیں ہو سکتے

اس لئے انھیں حیرت تھی کہ وہ ایسا کونسا لیڈر ہے جو انھیں متحد رکھکر طاقت ور اور دہشت ناک جنگ آزماؤں میں بدل ڈالا ہے۔

نیلی آنکھوں والا عرب (لارنس) جس طرف بھی رخ کرتا ترک سمجھ جاتے کہ وہ مصیبت میں گھر گئے ہیں۔ یکایک ترکوں نے پیچھے سے وار کیا۔ لارنس اپنے آدمیوں کو چٹانوں کی اونچی چوٹیوں پر کھڑا کر چکا تھا جہاں سے TAFILEH تفلیح نظر آتا تھا۔ یکایک اس کے عربوں کا ایک جتھا وادیوں سے بے تحاشا دوڑتا ہوا آیا جن کا تعاقب ترک سواروں کا دستہ کر رہا تھا۔

ابھی اندھیرا باقی تھا۔ عرب تعاقب ہی سے دہشت زدہ تھے کہ اب اس میں دشمن کے رائفلوں کی چمک بھی شامل ہوگئی۔ جس سے عربوں میں ہول سی سما گئی۔ لارنس نے اس وار کے روکنے کی یہ تدبیر کی کہ دو آدمیوں کو ہاچ کس بندوقوں کے ساتھ آگے بھیجا تاکہ دشمن کا خیال بٹا رہے۔ اور خود صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔

بندوقوں کے چھوٹنے کی آوازیں بڑھتی گئیں۔ اور یہ ظاہر ہوگیا کہ دشمن کی ساری فوج لارنس کے مقبوضہ مقام کی طرف بڑھی چلی آرہی ہے۔

بندوقچیوں کو ڈٹے رہنے کا حکم دیتے ہوئے لارنس ایک بلندی سے اترا اور دوسری بلندی پر چڑھ گیا۔ اور وہاں سے حملآور ترکوں کا مشاہدہ کرنے لگا۔ یہ جان کر کے صرف ۸۰ آدمیوں سے پہاڑی پر قبضہ باقی رکھنا مشکل ہے، اس نے ان لوگوں کے پاس قاصد دوڑائے جو پیچھے گاؤں میں لڑ رہے تھے۔ انھیں کہلا بھیجا کہ بہت جلد چلے آجائیں۔

اس کے بعد بہت ہی دھیمی رفتار سے اس نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔

اگر کلدار توپوں اور مشین گنوں کے پہنچنے تک وہ ترکوں کو ترغیب دلا سکتا کہ آکر ان ڈھلانوں پر قبضہ جمائیں تو اس کے بعد انھیں جال میں جکڑ لینا ممکن ہو سکتا تھا۔ لارنس بم گولوں کے دھاکوں سے اتنا قریب تھا جہاں تک کہ اس کی ہمت اسے لے جا سکتی تھی لیکن جب ایک شریپنل خود اس کے قریب آکر پھٹی اور اس کا ہلاکت آفریں مسالہ زمین پر پھیل چکا تو لارنس نے طے کیا کہ ہٹ جانے کا یہی وقت ہے۔

دوسرا سوال یہ درپیش تھا کہ امدادی فوج جب اور جب کبھی بھی آن پہنچے تو اس کو کس جگہ متعین کیا جائے۔

اب وہ بھاگنے لگا۔ ساحل کی طرف سطح زمین کو قطع کرتا ہوا بھاگنے لگا جہاں اس نے تھوڑی سی فوج متعین رکھی تھی۔ بھاگتے وقت شل کے گولے پھٹتے جاتے تھے اور گولیاں راست اس کے اطراف آآکر گرنے لگیں تھیں یا سنساتی ہوئی پیچھے اور بازو والی چٹانوں سے ٹکرا جاتی تھیں۔

لیکن بہ ایں ہمہ لارنس اپنے کام میں مصروف تھا۔

آس پاس کے مرنے والوں کی طرف سے مضطرب نہ ہوکر بھاگتے ہوئے اس نے گننا شروع کیا۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ وہ ایک بلندی سے دوسری بلندی کا درمیانی فاصلہ معلوم کرنا چاہتا تھا اور گزوں کا شمار کر رہا تھا۔

گرمی بہت شدید ہوگئی تھی اور جب ایک عرب سوار آن پہنچا تو لارنس رکاب کو تھامے ہوئے اس محفوظ مقام کی طرف جھپٹ کر

نکل گیا جو اس کے مرکزی مورچہ کے عقب میں واقع تھا۔ اس اثناء میں ترک، لارنس کی چھوڑی ہوئی بلندی پر چڑھ آئے اور ایک ساتھ عربوں پر گولیوں کی بوچھار شروع کر دی۔

لارنس اپنے محفوظ مقام میں داخل ہوا ہی تھا کہ یہ دیکھکر اسے بڑی خوشی ہوئی کہ اس کی باقی فوج بھی تیزی سے جھپٹی چلی آتی ہے اور اپنے ساتھ مشین گنیں، خودحرکی رائفلیں اور بالخصوص وہ مارٹین گن بھی لائی ہے جو ریلوے کے مستحکم مقاموں کی ضمنی لڑائیوں میں بہت کارآمد ثابت ہوئی تھی۔

لارنس نے حکم دیا کہ "انھیں کچھ دیر کے لیئے روکے رکھو"

اور خود کسی چھوٹے سے کھوہ میں جاکر ایک گھنٹہ تک سوتا رہا۔

جب اٹھا تو اس کی چھوٹی سی فوج تیار تھی۔ اس نے دشمن پر ایک نگاہ ڈالی۔ ترکوں نے پوری احتیاط سے اس چوٹی پر مورچہ بندی کر لی تھی جس کو لارنس چند ہی گھنٹوں پہلے چھوڑ چکا تھا۔ اور جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ یہ مقام گولہ باری کے لیئے بالکل کھلا ہوا ہے۔ اس طرح اس کا چھوٹا سا پھندا اپنا کام کر گیا تھا۔

اس سے بہتر بات یہ تھی کہ وہ ان بلندیوں کے سلسلوں سے خوب واقف تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے درمیان سخت چٹانوں کے بیچوں پر جب گولے پڑنے لگے تو گولوں کے اچٹتے ہوئے نکل جانے سے بھی اتنا ہی نقصان ہونے لگا جتنا خود گولیوں سے۔

سواروں کا ایک دستہ اس نے دائیں جانب بھجوایا۔ اور دوسرا بائیں طرف۔ اور جب یہ نقل و حرکت ہو ہی رہی تھی وسطی حصہ والوں

اس نے مسلسل حرکت کرتے رہنے کا حکم دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کی تمام تر توجہ وسطی حصہ پر جمی رہی۔ اور لارنس کے کئی سو آدمیوں ہی پر انھیں کئی زبردست فوج کا دھوکہ ہونے لگا۔

یہ فوج جن عربوں پر مشتمل تھی وہ اس سرزمین سے خوب واقف تھے۔ ایک ایک چٹان تک کو جانتے تھے۔ اس لئے سیدھے دشمن کے سر پر جا پہنچے۔ اس کے بعد لارنس کا حملہ شروع ہوا۔ وسطی حصہ سے اس نے بم باری شروع کی، ترک اس کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو ہی رہے تھے کہ دائیں پہلو سے ایک اور حملہ ہوا۔ اور جب وسطی حصہ میں انھیں کوئی حرکت نظر نہ آئی تو وہ بائیں جانب پلٹ پڑے۔ جس کے ساتھ ہی دائیں جانب والے ان پر پل پڑے۔ بدحواسی کی حالت میں آدھے ترک دائیں طرف پلٹ پڑے جب دائیں اور بائیں دونوں جانب کی فوجیں مصروف ہوگئیں تو لارنس نے خود وسطی حصہ سے گولہ باری شروع کر دی ایک ہنگامہ مچ گیا۔ لیکن ترکوں کا اس سے بھی زیادہ خوفناک دشمن لارنس کی سپاہ کے پیچھے منتظر بیٹھا تھا۔ آس پاس کے گانوں میں وہ ارمنی جنھوں نے ترکوں کے ہاتھوں برسوں ہولناک مصیبتیں اٹھائی تھیں عربوں کی فتح کی آس لگائے وہاں دبکے بیٹھے تھے۔

جب انھوں نے دیکھا کہ ترکوں میں بھگڈر مچ گئی اور وہ پہاڑوں میں بھاگے جاتے ہیں تو اپنی اپنی پناہ گاہوں سے نکل آئے۔ اور گالیاں بکتے دھمکیاں دیتے چھرے لئے ان کے پیچھے جھپٹے۔

ترک اس سرزمین سے ناواقف تھے۔ وہ سیدھے ڈھلوان چٹانوں کے درمیان تنگ راستوں پر بھاگے جا رہے تھے۔ جن کے اوپر چڑھنا ان کے بس سے باہر تھا۔ لیکن ارمنی جو چپہ چپہ زمین سے واقف تھے

کھوج لگا کر انھیں نکال لاتے اور یکے بعد دیگرے تڑپا تڑپا کر مارتے جاتے۔
خوف زدہ ترکوں کو موت بھی آسانی سے نہیں آئی تھی۔ اس لئے کہ ارمنی اپنے چھرے کی ہر ضرب سے ان تمام شدائد کا حساب چکا رہے تھے جو سالہا سال سے ان کی قسمت میں بندھے ہوئے تھے۔

دشمن کا یہ انجام بہت ہی ہولناک تھا۔ لیکن یہ لڑائی لارنس کو بھی یقیناً مہنگی پڑی۔ اس کے تقریباً ۱۲۰ آدمی یا تو مر چکے تھے یا زخمی ہوئے تھے اس نقصان کا متحمل ہونا لارنس کے لئے دشوار تھا۔ لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ یہ ہنگامہ ختم ہوا ہی تھا کہ برف باری پھر شروع ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ تمام لاشیں برف میں چھپ گئیں۔ گویا برف نے اپنی سفید عبا میں ان سب کو ڈھانپ لیا تھا۔

اس دوسری دفعہ کی برف باری نے لارنس کو ایک مہینہ کے لئے ٹھہر جانے پر مجبور کر دیا لیکن اس کے پاس Mort'd Aurthur کی جلد موجود تھی جس سے اکتا دینے والے وقت کے کئی کئی گھنٹے آسانی سے گزر جاتے۔

پھر بھی، آخر وقت میں لارنس بالکل اکتا گیا۔ آدمی بھی بیکاری کے سبب ہاتھ سے نکلے جا رہے تھے۔

چھاؤنی کے بہت سے لوگوں کو خدمت سے سبکدوش کرنے کے بعد لارنس نے اَبا اِل لسان کی طرف کوچ کی ٹھانی۔
وہ ان انتظامات میں لگا لپٹا ہوا ہی تھا کہ موسم بہار کا آغاز ہو گیا۔ لیکن بغیر زر کے کسی منصوبہ کا بھی روبعمل ہونا ناممکن تھا۔
یہ سفر بہت ہی طویل اور بہت ہی سرد تھا۔ لیکن جب وہ آنگے کے پڑاؤ پر

پہنچا تو وہاں اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ یہاں کرنل جوائس ۵۰ ہزار پونڈ سونا لئے ٹھہرے ہوئے تھے۔ لارنس خوش تھا اگرچہ اس کے چہیتے اونٹ کو ان لوگوں نے عقبہ سے شمال کی جانب بھیج دیا تھا۔

لارنس کے ہونٹوں پر ہنسی کھیل گئی۔ وہ ہنسی جو ان دنوں اس مقام پر شاذ ہی نظر آتی تھی لارنس نے تعویق نہیں کی۔ بلکہ خود اپنے اونٹ کو دوسرے بیس اونٹوں کے ساتھ سونے سے بھر دیا اور پھر دوبارہ تفیلح کی جانب روانہ ہو گیا۔

اس کے سفر ہمیشہ پرخطر ہوتے۔ یہ بھی ویسا ہی تھا۔ جس کا خود بعض کو احساس تھا۔ برف اور منجمد کیچڑ کے سبب زمین پر ہر طرف پھسلن آ گئی تھی۔ اونٹوں اور انسانوں کو شمال کی انتہائی سرد ہواؤں کا مقابلہ کرنا پڑتا۔ اونٹ جہاں چل نہ سکتے وہاں پھسل پڑتے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ آگے ہی کی طرف پھسلیں۔ وہ گھنٹہ بھر میں ایک میل سے زائد نہیں بڑھ سکتے تھے۔ اور رات آنے سے قبل ہر شخص زخموں سے چور چور ہو جاتا۔

ایک دفعہ لارنس دلدل میں پھنس ہی تو گیا۔ لیکن اونٹ کے پچھلے پاؤں کو پکڑ کر اونٹ ہی کے کھینچنے پر باہر نکل سکا۔ اور اسی طرح کی دوسری آفتوں کے سبب باقی لوگوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ جس کے سبب لارنس کو انکے رات بسر کرنے کے لئے کوئی اچھا مامن تلاش کرنا پڑا۔ جب اس کا انتظام ہو لیا تو وہ شوبک سے، جہاں وہ ٹھہر گیا تھا۔ تن تنہا آگے روانہ ہو گیا۔

اس دوران میں لارنس کے اونٹ میں، اپنے مالک سے مانوس ہونے کے باوجود برف سے نفرت کا احساس کافی ترقی کر چکا تھا۔ یہ اس کے لئے بالکل نئی چیز تھی۔ برف کی نرماہٹ اور گیلے پن کا احساس اس کو ناگوار گزرتا۔

اِس لئے کہ یہ چیز اس کے گرم اور ریتیلے ملک کے لئے بالکل انوکھی تھی۔ بالآخر جب وہ ایک گہرے دھارے میں گر پڑا تو آگے بڑھنے سے اِنکار کر دیا۔

لارنس اگر اُسے راستہ پر نہ لگاتا تو اونٹ اور وہ خود دونوں ٹھٹھر کر مر جاتے۔ اور اِس قدر شجاعانہ آغاز کا انجام اِتنا مایوس کن اور ایسی بے یاری و مددگاری کی حالت میں ہوتا۔

راستہ نکالنے کی کوشش میں لارنس نے اپنے ہاتھ اور پاؤں زخمی کر لیئے اونٹ کو اٹھایا گیا اور کنارے پر لایا گیا۔

یہاں ایک مزاحمت درپیش تھی یعنی یہ کہ اونٹ گویا اپنی سکت کے آخری نقطہ کو پہنچ گیا تھا۔ یہ ایک عجیب بات ہے لیکن اس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اونٹ جب تھک کر آگے بڑھنے سے اِنکار کر دے تو وہ اسی مقام پر کھڑا رہیگا جہاں کہ وہ رُک گیا ہے۔ اور اس وقت تک کھڑا رہیگا جب تک کہ مر کر گر نہ پڑے۔ لیکن وہ آگے بڑھنے کی کوشش ہرگز نہیں کریگا۔

لارنس کا اونٹ بھی اگر یہی کرتا تو اسے پیدل سفر کرنا پڑتا۔ اور اس صورت میں دشواریاں اور زیادہ اس کی راہ میں حائل ہو جاتیں۔ یہاں اب وہ پہاڑ کی عین چوٹی پر تھا۔ جس کے ہزاروں فٹ نیچے ہری بھری خوش نما سرزمین تھی اور امن و امان تھا۔ صورت حال قطعاً مایوس کن تھی۔ ڈھلان لے نیچے ایک چھوٹا سا گاؤں شیدیہ تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔

برف، پانی کے دھاروں اور پھسلتی ہوئی ڈھلانوں سے نکل جانے کی آخری کوشش کے ارادے سے، کسی قدر جھلا کر لارنس پھر سوار ہوا۔ اور اونٹ کی گردن پر شدت سے پیٹنا شروع کیا اور اسی کے ساتھ پوری قوت سے اس کے بازو پر ایڑین لگائیں۔ اونٹ چھوٹے سے ٹیلہ پر چڑھا

اور چوٹی سے ٹوٹ پڑا۔

قبل اس کے کہ اونٹ اور اس کا سوار یہ جان سکیں کہ آخر ہو کیا رہا ہے وہ ڈھلانوں پر پھسلے جا رہے تھے۔ بطور احتجاج چند بار گڑگڑا کر اونٹ نے آخر یہی تصفیہ کر لیا کہ بیتی ہوئی مصیبتوں کے مقابلہ میں، سفر کی بہرحال یہی سب سے آسان صورت ہے۔

اس لئے وہ بڑھتا گیا۔

پہاڑی کے نشیب میں اونٹ کا غوطہ لگانا ہی تھا کہ لارنس نے زور زور سے چیخنا چلانا شروع کیا۔ تاکہ اونٹ اپنا سفر جاری رکھے۔ خود اونٹ غصہ اور تکلیف سے بلبلاتا جاتا تھا۔ کبھی تو وہ پاؤں پاؤں چلا اور کبھی پھسلتا گیا، پھسلتا گیا حتی کہ ایک جنبش اور بیزاری کی آخری سانس لے کر وہ اس مقام پر آیا جس سے وہ مانوس تھا۔ یہ ایک سڑک تھی۔ اور یہاں مکانات تھے۔ یہ بات خوش آیند تھی۔

دیہاتی نکل آئے اور لارنس کی اس بیکسانہ آمد پر انھیں حیرت ہوئی لیکن انھوں نے لارنس کا خیر مقدم بھی کیا۔ دوسرے دن اگرچہ لارنس کا سفر ختم ہو چکا تھا لیکن آرام کے لئے اسے موقع کہاں ملتا۔ جرنیل ابن باٹے اس سے ملنا چاہتے تھے اس لئے ایک دفعہ پھر وہ عقبہ کی طرف چل پڑا۔ اور وہاں سے اس نے مصر اور فلسطین کی جانب پرواز کی۔

جب وہ جرنیل موصوف سے ملا ہے تو وہ بہت زیادہ فکر مند پائے گئے۔ اتحادی مشرق میں اقدام نہیں کر سکتے تھے۔ اور اس وقت تک جب تک کہ جرمنی کو ترکی کی تائید حاصل تھی اتحادیوں کی فتح یابی کے امکانات بہت دشوار طلب تھے

جرنیل اِلن بائے نے یہ تمام واقعات لارنس کو سمجھائے۔ یہ ایک عجیب منظر تھا۔ ایک طرف مصر کی ساری مصروف جنگ فوجوں کے جنرل کمانڈنگ افسر تھے جو ترکوں کے خلاف معرکہ آرائیوں کے ذمہ دار تھے۔ مغربی محاذ کے جرنیلوں تک نے جن کی مدد طلب کی تھی۔ لیکن انھیں بھی اِس لاابالی شوقین سپاہی سے یہ پوچھنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ اِس بارے میں وہ کیا کر سکتا ہے۔ لارنس کے لئے یہاں ایک موقع تھا جس کی جانب وہ جھپٹ پڑا۔

جرنیل سے اس نے کہا کہ اسے مزید بندوقوں، مزید مشین گنوں اور مزید اونٹوں کی ضرورت ہے۔ دولت بھی بلاشبہ چاہیئے اور کافی مقدار میں غذا بھی۔

اگر جرنیل اِلن بائے مغربی محاذ پر دشمن کو دھیان دینے سے باز رکھ سکتے تو لارنس دوسرے محاذ پر اس سے نپٹ لیتا۔ اور اس طرح اپنا پرانا منصوبہ روبعمل لا سکتا۔ وہ منصوبہ جس کو اس نے مہینوں پہلے سوچ رکھا تھا۔ وہ منصوبہ جس کا دوسرے جرنیلوں نے مذاق اُڑایا تھا۔

گفتگو مختصر اور صریحی تھی۔ لیکن اس کے اِختتام پر لارنس کا مطلب نکل آیا۔ اپنے مقصد کی اس نے جرنیل اِلن بائے سے کامل توثیق حاصل کر لی تھی۔ اور وہ مقصد آن کا فتح کرنا تھا۔

صاف زبان میں اس کا مطلب یہ تھا کہ انگریز سپاہی اگر اپنے مورچہ کو سنبھالے رہیں تو لارنس اپنے بے قاعدہ فوجی دستوں کے ذریعہ پوری مقاومت کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔

اِس نئی حاصل شدہ اِمداد سے پھولا نہ سماکر لارنس عقبہ کی طرف واپس دوڑ پڑا۔ اور عربوں کے درمیان یہ خوشخبری پھیلادی کہ "جرنیل اِلن بائے کو ہماری مدد کا رہے اور ہمیں اِس میں دریغ نہ کرنا چاہیئے۔

(۹)

عقبہ کی صدیوں کی بے حسی اب رخصت ہو چکی تھی۔ ریتیلے ڈھلانوں پر، جو وادی عرب سے شروع ہو کر ساحل سمندر تک پہنچتے تھے، اب آوارہ گرد عربوں کے خیموں کے بجائے صاف ستھرے چھوٹے چھوٹے کیمپ ادھر اُدھر بکھرے نظر آتے تھے۔ صدر کیمپ کی مغرب میں ایک طیارہ گاہ بھی قائم ہو چکا تھا۔ کشتیوں کی بندرگاہ میں مسلسل آمد و رفت رہتی۔ کشتیوں سے اسباب اتارنے کے لئے ایک طرح کی چھوٹی سی گودی بھی بنا دی گئی تھی۔

ایک سو کے قریب انگریز سپاہی اس بندرگاہ میں رہتے تھے۔ جنھیں اسباب، ہتیار، بند موٹروں دس پونڈی ہیٹریوں کی حفاظت کے لئے یہاں بھجوایا گیا تھا۔ اونٹوں کو تیار رکھنے کے لئے دوسرے لوگ تھے۔ آرڈیننس ڈپارٹمنٹ کے وہ لوگ بھی جن کا وقت، آغاز بغاوت پر بڑے اچنبھے اور جوش کی حالت میں گزرا تھا عقبہ آن پہنچے تھے۔

اب ان کا کام کسی قدر آسان ہوگیا تھا۔ اِس لئے کہ انھیں صرف جدید قسم کی رائفلوں کی مرمت کرنی پڑتی۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بھرمار بندوقیں بھی ان کے ہاتھ پڑ جاتیں۔ اور وہ پیشتر کے شقوں اور درازوں کو دیکھکر احتیاط سے ان کی مرمت کرتے۔

اور جب کبھی کوئی بندوق ناقابل مرمت خیال کی جاتی تو اس کے بدلے عرب کو ٹھپہ دار رائفل دیا جاتا۔ لیکن عرب اس کو شیطانی تحفہ سمجھ کر لینے سے اِنکار کر دیتا۔ اور اپنی ذاتی بندوق طلب کرتا اسلحہ ساز اس کی بیوقوفی پر حیران ہوکر ٹین کا ایک آدھ ٹکڑا کندے یا نلی پر مڑھ دیتے اور واپس کر دیتے۔ جس کو لے کر عرب بہت خوش ہوتا۔

گو ویریا کو جو Negbel-shtar اور عقبہ کے درمیان واقع ہے۔ ہراول چھاؤنی بنایا گیا تھا یہ ایک بہت وسیع میدان تھا جو ریتلے پتھروں کی اونچی چٹانوں سے گھرا ہوا تھا۔ یہ چٹانیں ڈیون کی چٹانوں کی طرح رنگین تھیں۔ دلدل کی چوڑی چکنی سطح زمین پڑاؤ کے لئے موزوں تھی لیکن برسات میں گاڑیاں مع پہیوں کے زمین میں دھس جاتیں۔

اب جب کہ یہ ہتیار بند موٹریں اور ان کی ایندھن گاڑیاں لارنس کو اس کے کام میں مدد کے طور پر دی گئیں تو اس کی فوجی کارروائیوں میں کچھ سرعت سی آ گئی تھی۔

لیکن سڑک آسان گذار نہ تھی۔ عقبہ سے وادی اِتھم تک ساری زمین ٹیلوں سے پٹی ہوئی تھی۔ خود وادی کے چھوٹے چھوٹے تنگ دارزوں میں سے گاڑیاں رگڑا کھاتی ہوئی گزرتیں۔ اور اس بات کی بڑی اِحتیاط برتی جاتی کہ کہیں پہیئے چٹانوں کے کونوں سے نہ ٹکرا جائیں جو استروں کی طرح

تیز تھے۔

موٹر کے ذریعہ عقبہ سے لارنس کا پہلا سفر بجائے خود ایک مہم تھا۔ وادی سے صحیح سلامت نکل کر اور سطح قطعات زمین پر بے تحاشا تیز رفتاری سے سفر کر کے وہ گویریہ کے میدان کے شمالی سرے تک جا پہنچا۔

جب اس کی نظر Negbel-shtar کی چوٹی اور کاک پیچ Corkserew کی طرح بل کھاتے ہوئے درہ پر پڑی تو اس نے ہتیار بند موٹروں کے آدمیوں کو اشارے کے ذریعہ اوپر کی طرف بتایا۔ اونٹوں کے لئے یہ سڑک ناقابل گزر تھی۔ اور ان لوگوں نے بھی جو نخلستان Siwa کی معمولی لڑائیاں لڑ چکے تھے، اس قسم کی کوئی چیز اپنی زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔

لارنس نے چٹانوں کی پشت بلندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہے جو ہم کو سر کرنا ہے"۔ چڑھائی شروع ہوئی۔ اور کچھ دیر بعد، جو برسوں کے برابر طویل تھی، ایک تھکا ہارا، ہانپتا ہوا گروہ موٹروں کو چوٹی پر چڑھا سکا انجن کے پورے زور کے باوجود، عموماً یہ کھینچنے اور ڈھکیلنے کا کام تھا۔ وقتاً فوقتاً کوئی پہیہ پھسل پڑتا، رک جاتا، یا راستہ کے کونے پر زچ کر دینے والے گھاؤ کے ساتھ معلق ہو جاتا۔ اس وقت سب کو متحد ہو کر سانس روک کر زور لگانا پڑتا۔ جس کے بعد آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر گاڑی راستہ پر آ رہتی۔

نشیب ہو یا فراز، راستہ سخت دشوار گزار تھا۔ اور جب کبھی عقبہ سے ابا آل لسان اور رآن کی طرف جانے والی سرزمین پر گزرنا ہوتا تو اسی درہ کا راستہ اختیار کرنا پڑتا۔ اس کے سوا اگر کوئی راستہ تھا تو اس میں سیکڑوں

میل کا پھیر تھا۔

Negbel-shtar سے لارنس اور اس کے ساتھی خوب واقف ہو چکے تھے۔ لیکن ہر دفعہ، چوٹی پر کھڑے ہوکر، دنیا کے ایک سب سے زیادہ عجیب وغریب منظر کے مشاہدہ کے لئے وقت نکال ہی لیتے۔

میدان کی دوسری جانب، بیس میل کے فاصلہ پر، فضائے بسیط میں ایک نقطہ کے طور پر گو وریہ کی چھاؤنی واقع تھی۔ جو پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی۔

دائیں جانب سینا کے پتھریلے بنجر پہاڑ تھے۔ اور میدان میں اِدھر اُدھر بے ترتیبی سے وہ چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں جنھیں باد و باران نے ہمہ اقسام کی عجیب عجیب شکلوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس بلندی سے وہ ایسا معلوم ہوتے گویا ناہموار فرش بندی کر دی گئی ہے۔ راستہ کی نگہداشت ٹوٹم Totem کی طرح کے مہیب مجسمے کر رہے تھے ابا ال یسان سے آگے اس عجیب ملک میں ہتیار بند موٹروں اور ایندھن گاڑیوں کے یہ ابتدائی سفر بڑے جان جوکھوں کے کام تھے۔ اور ڈرائیوروں کو اس کا پتہ تک نہ تھا کہ آئندہ کیا افتاد پڑ یگی۔ خاصی سطح اور سخت سڑکوں پر یا تو ۵۰، ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار کا مخدوش سفر طے ہوتا یا پھر پہیے پھسل پڑتے۔ انجنوں سے زناٹوں کی آوازیں آتیں اور دھرے تک موٹریں ریت میں دھنس جاتیں۔ ہر شخص اتر پڑتا۔ موٹروں سے اسباب اتارا جاتا اور سخت زمین تک لڑکھڑائی چال سے لے جایا جاتا۔ جو یا تو چند ہی گز کے فاصلہ پر ہوتی یا ایک میل کی دوری پر۔ پھر موٹر کو کھینچ ڈھکیل کر ریت سے باہر لایا جاتا۔ (بعد میں ان پولے قطعات زمین پر ان تاروں کے جال پھیلا دیئے گئے تھے جو مرغیوں کے ٹاپوں میں استعمال ہونیوالے

تاروں سے مشابہ تھے جس کے سبب زمین پر پہیوں کو ضروری گرفت حاصل ہوگئی)

کچھ عرصہ تک عقبہ ہر چیز کا مرکز بنا رہا۔ ہتیاً بند موٹریں آیا جایا کرتیں طیارے فراٹے بھرتے سروں کے اوپر اڑا کرتے۔ اونٹوں کے کاروانوں کی لا متناہی قطاریں تنگ وادیوں میں سے گزر کر آتیں۔ لارنس اور دوسرے انگریز عہدہ داران لوگوں کو سپاہی بنانے کی اپنی امکانی کوشش میں لگے ہوئے تھے جو انقلاب عرب میں لڑنے کے لئے رضاکارانہ اپنی خدمات پیش کر رہے تھے۔

انگریزی چھاونی کے لوگ بھی خاموش نہ رہتے۔ مصیبت یہ تھی عرب بھی ہر چمکتی ہوئی چیز پر نشانہ تانے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی جب کہ باورچی اپنے کام میں لگا ہوا اِدھر اُدھر پھرتا رہتا گولی ف ی ی یو کی آواز کے ساتھ نکل جاتی۔ اور ساتھ ہی ایک جھنکار سنائی دیتی۔ اس طرح کسی نامعلوم نشانہ باز کی چاندماری کو شہرت حاصل ہوتی۔ لیکن باورچی اس کو چاند Bull's eye ہرگز نہ کہتا۔

عرب نامانوس چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ ان چیزوں سے وہ قریب ہوں گے تو اس کی اصلیت معلوم کرنے کے لئے یکجا جمع ہو جائیں گے لیکن اگر کوئی چیز کچھ فاصلہ پر واقع ہو وہ انھیں بندوق کا نشانہ بنانے کیلئے موزوں نظر آئیگی۔ بندوقیں اُٹھالیں گے۔ فیر سر کریں گے۔ جس سے کسی حد تک ان کے استعجاب کو تسکین ہو جائیگی۔

وہ لوگ جو عربوں کا سر پیچ باندھکر چہل قدمی کرتے ان کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا لیکن دو ایک بدقسمت ایسے بھی تھے جو اپنی عادت سے مجبور ہوکر

اپنی معمولی چھجے دار ہیٹ لگائے باہر نکل آئے یا چہل قدمی کرنے لگے۔

عرب تو صرف اپنے سر پیچ سے واقف تھے۔ چھجے دار ہیٹ کی انھیں کیا خبر۔ اس لئے انھوں نے اس کو بھی معقول نشانہ تصور کر لیا۔ ایک شخص تو اس طرح اپنی جان سے گیا۔ لیکن دوبارہ لوگوں کو چھجے دار ہیٹ پہننے کی جراءت نہ ہوئی۔ کیونکہ انھیں خوب تنبیہ ہو چکی تھی کہ اڑتی ہوئی گولیاں ان کا خاتمہ کر دیں گی۔

لارنس اور اس کے ساتھیوں کا جس سے سابقہ رہتا، وہاں کی زندگی کا یہی نقشہ تھا۔

سارے ملک عرب کے لڑنے والوں میں سے۔ ۸۰ سخت بے جگر لڑنے والے اب اس کے گرد جمع تھے۔

جس طرح اسپین کے سمندر میں بحری قزاق موجود رہتے ہیں اس طرح صحرا نے بھی خون کے پیاسے بدمعاش کافی تعداد میں فراہم کر دیئے تھے جو ہر شخص اور ہر چیز سے لڑنے کے لئے اس وقت تک آمادہ تھے جب تک کہ لارنس کی قیادت انھیں حاصل رہتی۔ ہر شخص دوسرے سے زیادہ رنگین اور چمکدار لباس میں نظر آنے، اور اپنے اونٹ کے کجاوے کو دوسروں سے زیادہ چمکدار ساز و سامان سے سجانے کی کوشش کرتا۔ اور جب وہ اپنے دھاووں پر روانہ ہوتے تو رنگوں کا ایک ہنگامہ نظر آتا جس کے درمیان لارنس کا سفید لباس ان سب سے الگ ہوتا۔

ہر شخص کے پاس دو دو رائفلیں اور عموماً دو دو ریوالور تھے۔ ہر ایک کے کندھے پر گولی بارود سے بھرا ہوا چمڑے کا پرتلا لٹکتا ہوتا۔ اور کمر بند میں خنجر ہوتا۔

اور بعضوں کے پاس ہتیاروں کی جوڑیاں ہوتیں۔ یعنی دو رائفلیں دو ریوالور، اور دو خنجر۔ سب اونٹ اتنے تیز رفتار اور مضبوط تھے جو وہاں میسر آ سکتے تھے بالکل اسی قسم کے جو لارنس کی سواری میں رہتے تھے۔ یہی لوگ ہیں جن کے ساتھ لارنس نے انتہائی دلیری کے کارنامے انجام دیئے ہیں اور خصوصاً اس انتظار کے زمانے میں۔

انگریزی محاذ پر لڑائیاں نقشوں کے مطابق نہیں انجام پا رہی تھیں اور جرنیل النبی دو یا تین مہینوں کے لئے لڑائی روک دینے پر مجبور ہو گئے تھے، یورپ میں لڑائی شدید تر ہوتی جا رہی تھی اور وہاں والے مصر سے کمک بھی طلب کرنے لگے تھے۔ جس نے جرنیل النبی کو اور بھی کمزور کر دیا تھا۔ اور ان کے لئے اب ضروری ہو گیا تھا کہ قوت سے زیادہ چال بازی کو بروئے کار لائیں۔

لڑائی کی اس دوسری منزل میں، لارنس انھیں ایک یگانہ روزگار نظر آیا۔ ریلوے کے شمال اور جنوب میں اس کی نقل و حرکت، سو سو میل کے فاصلوں پر اس کے بیک وقت حملے، کسی جگہ ہتیار بند موٹروں کی تاخت تو دوسری جگہ پیدل فوج کا دھاوا، اور تیسرے مقام پر اونٹوں کے دھاوے، لیکن ان سب پر فوق صرف دو یا تین طیاروں سے مسلسل بمباری ــــ ان سب باتوں نے ترکوں کو قیاس آرائیوں میں گم کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ریلوے کے شمال و جنوب میں لارنس کے ہزاروں آدمی موجود ہیں۔ درآں حالیکہ اس کے پاس صرف چند سو سے زائد آدمی نہ تھے۔

ترکوں نے یہ بھی خیال کیا کہ عرب اور فلسطین سے اور زائد آدمی

ان پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ درآں حالیکہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ یہاں صرف چند ہی لوگ تھے۔ اِس مہم کا انحصار بالکلیہ دھونس جمانے پر تھا۔ قائد ہونے کی حیثیت سے اس پر لازم تھا کہ ترکوں کو اس وقت تک تشویش کی حالت میں رکھے جب تک کہ جرنیل الن بائے نئے سرے سے اپنی پلٹنوں کو ترتیب دے کر ایک زبردست تاخت کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ یہ تاخت ایسی ہو گی جس کے پہلے ہی ہلہ میں یا تو فتح حاصل ہو سکے گی یا ساری مہم ڈھیر ہو جائے گی۔ اور اس کے ساتھ انگریزی سلطنت اور اتحادیوں کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

اِنقلاب عرب جیسی معمولی چیز پر اس وقت اتحادیوں کی قوت کا اِنحصار تھا۔ اگر ترکوں کی شکست سے مشرق کی طرف کا دباؤ ہلکا ہو جاتا تو فرانس کو فوجیں بھجوانا ممکن تھا جس کے بعد اتحادی فرانس میں پیش قدمی کر سکتے تھے۔

لارنس بے قراری سے منصوبے سوچنے لگا۔ ایک دن وہ عقبہ میں ہوتا تو دوسرے دن ریلوے کے شمالی سرے پر۔ اور تیسرے دن فلسطین میں۔ یہاں وہاں ہر جگہ وہی وہ تھا۔ کبھی اس فوج کی کمان کی تو کبھی اِس فوج کی۔ کبھی فوج کے سامنے کوئی تجویز پیش کر دی اور یقین کرنے لگا کہ یہ ضرور روبعمل لائی جائے گی۔ یہ سب اس کی مرکزی اِسکیم کے گویا اجزائے ترکیبی تھے۔ کئی مہینہ پہلے اس نے جدے میں کہا تھا کہ اس کی منزل مقصود دمشق ہے۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ مشرق کی ساری لڑائی کی کلید اگر ہے تو دمشق ہے۔ اس لئے دمشق کو فتح ہو جانا چاہیئے تھا۔ اور اتحادیوں کو جرنیل الن بائے کے توسط کے سبب، لارنس کے ایک طوفانی فوج کے تیار کر لینے کے خیال پر وثوق ہو گیا تھا۔ ہر چیز اس سبب سے مقدم فوجی نقل و حرکت

سے کمتر اہم سمجھی جانے لگی۔ اور بالآخر تمام تفصیلات بھی مرتب کر لی گئیں۔
حملہ ماہ ستمبر میں ہونے والا تھا۔ جرنیل ایلن بائے کی خاص فوج پوشیدہ طور پر یہمبسل میں جمع ہونے والی تھی۔ اور تجویز یہ تھی کہ حکم ملنے تک وہ زیتون اور نارنگیوں کے جھنڈوں میں چھپی رہے۔ یہ بھی تجویز ہوا تھا کہ جب ترک حجاز ریلوے کی نگرانی کرتے رہیں اور سراسیمگی میں یہ سوچتے رہیں کہ عربوں کا نیا دھاوا کس مقام پر ہوگا؛ جریکو کے قریب ایک بڑی چھاؤنی قائم کی جائے جو ہزاروں پرانے خیموں پر مشتمل ہو۔ ہتیائی ہوئی متروک الاستعمال بندوقیں دشمن کے مقابل میں ایک قطار میں جمع کر دی جائیں۔ ہوائی فوج کا یہ کام تھا کہ اس علاقہ پر مسلسل پرواز جاری رکھے جس سے دشمن کے طیاروں کی پرواز کا سدباب ہو جائے۔ خاص دھاوے کے دن کا یہ پروگرام تھا کہ جو بندوقیں کام دے سکتی ہوں وہ فوراً گولے برسانا شروع کر دیں۔ اور سڑک کے نشیب و فراز سے اور ہر کھلے مقام سے درختوں، ڈالیوں اور لکڑی کے کندوں کو گرد و غبار کے طوفان اٹھانے کی خاطر کھینچا جائے گا۔ یہ گرد کا طوفان ایسا ہوگا جو افواج کے آگے بڑھتے وقت بلند ہوتا ہے۔
یہ منصوبے لارنس کے دلی منشاء کے عین مطابق تھے۔ کسی دشمن کو تباہی میں گرفتار کر دینے کا یہ ایک قدیم طریقہ تھا۔ لیکن سب سے زیادہ لارنس یہ بھی جانتا تھا کہ یہ ایک کٹھن کام ہے۔ اگرچہ اس نے ہامی بھر لی تھی کہ انگریزی فوج کی کارروائیوں سے قطع نظر کر کے، عین مقررہ وقت پر وہ ان منصوبوں کو بروئے کار لائے گا لیکن اس وقت اس کا دھیان کسی انگریز میجر اور ان کی چند ہفتہ قبل کی مہمات کی طرف لگا ہوا تھا۔
قہوہ کی ایک پیالی پینے کے لئے لڑائی روک دینے کا بہانہ اب بھی

کارفرما تھا۔ اور میجر ندکور نے جب یہ بات ایک گونج دار قہقہہ کے ساتھ کہی تو اس میں ایک المناک واقعہ یہ پوشیدہ تھا کہ اس قماش کے "نوجیوں" کے ساتھ لارنس معینہ وقت پر نقل و حرکت کے وعدے کر رہا تھا۔

اس نے اوپرے دل سے کہا تو سہی کہ عرب نظام الاوقات کی پابندی کے ساتھ برابر کام کریں گے لیکن دل میں خوب سمجھتا تھا کہ عرب کئی کئی ہفتوں کی مدت کو کچھ نہیں سمجھتے۔ مستقبل اللہ کے ہاتھ تھا نہ کہ اس غریب کے!۔

لارنس نے اپنے نئے مددگار (میجر) کو ریلوے لائین کے ایک حصہ پر حملہ کرنے کا کام تفویض کیا اور شریف مکّہ کی فوج کا ایک حصہ بھی اس کے تحت کر دیا۔

عین کوچ کے وقت عربوں کو معلوم ہوا کہ فوج کے لئے کوئی ہراول ہی نہیں ہے۔ اتفاقی طور پر انھیں ایک خیمہ مل گیا جہاں وہ سب کے سب جمع ہو گئے۔

میجر نے ان سب کو تو وہیں چھوڑا اور خود اس ملک میں تجسس کے ارادے سے آگے نکل گئے۔ اور تین دن تک اس انتظار میں رہے کہ ممکن ہے عرب ان کے پیچھے چلے آئیں۔ لیکن جب عرب آگے نہیں بڑھے تو میجر خود لوٹ آئے۔ اور انھیں درختوں کے درمیان آرام سے بیٹھے پایا۔ ان عربوں کو جنوب کی طرف سے خیموں کا انتظار تھا تاکہ یہاں آرام سے رہ سکیں۔ چونکہ اس فوج کے پاس وہ بند وقیں بھی تھیں جو محاذ پر استعمال کے لئے درکار تھیں اس لئے ان کا ٹھہر جانا پریشان کن تھا۔ لیکن آخر کار میجر نے ان کو آگے بڑھنے پر آمادہ کر ہی لیا۔ تقریباً ۵۰ باقاعدہ شریفی سپاہیوں کی سرکردگی میں

بندوقیں آگے بڑھتی نظر آئیں اور جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں سے حملہ ہونے والا تھا تو میجر نے توپوں کو آراستہ کر لینے کی رائے دی۔

کیا ہم اکیلے ہی بغیر بدوؤں کی مدد کے لڑیں؟" عرب عہدہ دار نے جب یہ کہا تو اپنے کہے پر خود ہی دنگ رہ گیا اس خیال سے کہ فیصل کا افسرِ اعلیٰ اس مزید تاخیر سے برہم ہو جائے گا۔ میجر بدوؤں کو کوچ پر آمادہ کرنے کے لئے پیچھے دوڑ پڑا۔ نوری (بدو) تو یہی چاہتا تھا۔

اس نے کہا۔" خوب! اگر آپ آگے نہیں بڑھتے تو میں اپنی لڑائی جاری رکھنے کے لئے آپ سے اونٹ عاریتاً لے سکتا ہوں۔ میرے پاس کچھ آدمی تو ہیں لیکن اونٹ نہیں ہیں؟"

میجر صرف اس شرط پر راضی ہو سکتا تھا کہ اونٹ دوسرے ہی دن اس کو واپس مل جائیں تاکہ اس کا فوجی دستہ بھی آگے بڑھ سکے۔

" اس کا فوجی دستہ؟" نوری نے حیرت سے کہا۔ یہ کوئی اہم بات نہیں میں اس فوجی دستہ کو بھی عاریتاً لینا چاہتا ہوں۔

دراصل فوجی دستے اور اونٹ دونوں ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اور اگر میجر لڑنا بھی چاہتا تو بذات خود اس کو لڑنا پڑتا۔

برہم ہو کر وہ اپنے بندوقچیوں کی طرف یہ معلوم کرنے کے لئے لوٹ آیا کہ کہیں وہ بھی کسی دوسرے کے ماتحت نہ ہو چکے ہوں ....

.... لیکن یہ بات بھی اس کے لئے زیادہ خوش کن نہ تھی۔

اس نے پوچھا۔ بندوقیں کب روانہ ہوں گی۔

جواب ملا کہ بندوقوں کے لئے ایک سو سپاہیوں کے بدرقہ کی ضرورت ہے۔

میجر نے کہا۔ بہت بہتر۔
ایک سو سپاہی تو یہاں موجود ہیں۔
جی ہاں۔ مگر ہمارے پاس اونٹ نہیں ہیں۔
میجر نے کہا۔ مجھے معلوم ہے۔ لیکن امیر فیصل اونٹ بھجوا رہا ہے۔
عرب عہدہ دار نے کہا۔ یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان اونٹوں کے کجاوے نہیں ہیں۔

میجر فیصل کے پاس دوڑا گیا۔ جہاں اسے ایک اور رکاوٹ سے سامنا کرنا پڑا۔ اس سے کہا گیا کہ گزشتہ مہینہ ۲۹ دن کا تھا۔ اور آج پہلی تاریخ ہے۔ مدد دینے والے بدوؤں کو اس پر یقین ہے کہ گزشتہ مہینہ ۳۰ دن کا تھا اور اس طرح پہلی تاریخ کل ہوگی۔ اس لئے وہ کل تک روانہ ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اب میجر کا پیمانہ صبر لبریز ہوتا جاتا تھا۔ لیکن وہ محض بے بس تھا۔ اس کے ۱۴ دن تو محض پریشان خیالی میں ضائع ہو گئے تھے۔ وہ کبھی ان بندوقوں کا منتظر رہا جو پہنچی ہی نہیں۔ اور کبھی ان آدمیوں کا انتظار کرتا رہا جن کے پاس اونٹ نہ تھے۔ اور ان اونٹوں کی بھی اسے آس لگی رہی جو کجاوں سے خالی تھے۔

قصہ مختصر وہ ان مختلف اجزا یعنی اونٹوں، کجاوں، آدمیوں اور بندوقوں کو یکجا کر سکا۔ اور حملہ کا انتظام ہو گیا۔ یہ فوجی دستہ علی الصباح روانہ ہونے والا تھا۔

میجر بہت جلد بیدار ہوا۔ اس وقت ہر ایک پڑا سوتا تھا۔ سات بجے تک انتظار کرنے کے بعد اس نے یہ معلوم کرنے کے لئے

قاصد دوڑائے کہ آخر معاملہ کیا ہے۔
نو بجے جواب وصول ہوا۔

حضور والا!

اب تک ہمیں کچھ ملا نہیں۔ تا وقتیکہ ہم کو ہمارے حصہ کا سونا نہ مل جائے ہم کوچ نہیں کریں گے۔ وعدوں سے ان کو اطمینان دلایا گیا۔ اس کے بعد بھی تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ ان کے پاس کجاوے کافی تعداد میں نہ تھے۔

جب یہ قضیہ بھی طے ہوگیا تو میجر آخری دفعہ ان کے کوچ کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن دوسرا قاصد آیا اور سلام کیا۔

حضور والا!

میجر نے کہا۔ ہاں! اور اس کے منتظر ہو گئے کہ اس دفعہ کیا گل کھلے گا۔

اس نے کہا فتح مند انگریز بڑھے چلے آتے ہیں۔

اس کا کیا مطلب۔

یہ لوگ پھٹے پرانے پاجاموں میں انگریزی فوج سے ملنا نہیں چاہتے۔

وہ کسی حال میں بھی اس وقت تک حرکت نہیں کرنا چاہتے تھے جب تک کہ میجر مانگ کر، چرا کر، یا مستعار لے کر کافی تعداد میں پاجامے فراہم نہ کر دے۔

بالآخر اُنھوں نے کوچ کیا۔

اِس قصّہ میں اب صرف ایک چیز شریک کرنے سے رہ جاتی ہے۔
یعنی یہ کہ حملہ ناکام رہا۔

۱۰

۔مبحر پر گزرے ہوئے اِن واقعات سے کافی تشریح ہو جاتی ہے
کہ ترکوں کو عربستان سے نکال باہر کرنے کی مہم میں لارنس کو کس قماش
کے عربوں سے سابقہ تھا۔ لیکن باین ہمہ لارنس نے فوجی صدر مقام میں
اپنے منصوبوں پر بحث کرتے وقت اپنے نقطہ نظر سے کوئی روگردانی
نہیں کی۔ بلکہ یہی کہا گیا کہ میرا منصوبہ یقیناً قابل عمل ہے۔
اس حتمی وعدے کے بعد اس نے چار۔ پانچ دن ابا اِل لسان
کے فوجی صدر کیمپ اور عقبہ میں حمل ونقل کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے
گزارے۔ پھر اس نے گوڈریا سے جفر کو پرواز کی۔ جہاں فیصل ان وعدوں
کی توثیق کے لئے ٹھہرا ہوا تھا جو اس سے کئے گئے تھے۔ اس کا دوسرا سفر
شاہی اونٹ دستہ سے جا ملنے کے لئے تھا جو فلسطین سے ریگستان
کے راستہ عربستان آرہا تھا۔

شاہی اونٹ دستہ والوں نے جب سنا کہ وہ ملک عرب میں کسی "خاص کام" پر بھیجے جا رہے ہیں تو عہدہ داروں اور سپاہیوں سبھوں میں اس خیال سے کافی جوش پیدا ہو گیا کہ آخر کار اب وہ اس شخص سے مل سکیں گے جس نے سارے ترکوں کو وحشت زدہ کر دیا ہے۔ اور جس کو زندہ یا مردہ پکڑنے کے لئے ترک ۱۰ ہزار پونڈ کا انعام پیش کر چکے ہیں۔

یہ دستہ عقبہ سے کچھ ہی فاصلہ پر تھا کہ قاصد یہ پیغام لے آیا کہ لارنس خود ان سے ملنے کے لئے آ رہا ہے۔ اس لئے یہ دستہ وہیں ٹھہر گیا۔ لارنس کا انھوں نے اب تک صرف نام ہی سنا تھا۔ لیکن انھوں نے جب اس کی سرگوشتوں کو سنا تو انھیں امید ہوئی کہ وہ کوئی ایسا غیر معمولی انسان ہوگا جس کو مروجہ اصطلاح میں "فرد فرید" بھی کہا جا سکتا ہے۔

وہ انتظار ہی میں تھے کہ ایک پستہ قد آدمی، نگاہیں زمین پر گاڑے دونوں ہاتھ آگے کو باندھے، لوگوں کی قطاروں کے پیچھے سے آتا نظر آیا۔ کمانڈنگ افسر نے سوار ہو کر سلامی دی۔

سب کے سب اس طرف گھورنے لگے۔ اور مزید گھورا کئے۔ اس کے بعد سرگوشیاں شروع ہوئیں اور ٹکٹکی بندھ گئی۔

لوگو! یہی کرنل لارنس ہیں۔ وہ آپ لوگوں کو بطور ہدایت کچھ کہیں گے۔

چند سکنڈ تک لارنس نے اپنی پست آواز میں ان کو مخاطب کیا۔ اس کی آواز بمشکل بیرونی صفوں تک پہنچ سکی اونٹ دستہ والوں سے اس نے کہا کہ انھیں ان لوگوں کے دوش بدوش لڑنا ہے جو خود ان کے ساتھیوں سے کسی قدر مختلف ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جو بے تحمل اور زود رنج ہیں۔

اور جو واقعی، یا مفروضہ یا غیر ارادی اہانت پر مشتعل ہو جانے والے ہیں۔ جو لڑائی کے منضبط طریقوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ ممکن ہے وہ اس مقام پر جھپٹ آئیں جہاں اونٹوں کے دستہ کی مقاومت مضبوط ہو۔ اور اس مقام پر پیچھے کھسک جائیں جہاں واقعی ان کی مدد درکار ہو۔ لیکن باایں ہمہ وہ برطانیہ کے دوست ہیں۔ لہٰذا انھیں چاہیئے کہ ان کے ساتھ ممکنہ مراعات ملحوظ رکھیں، اسی پر لارنس کی تقریر ختم ہو گئی۔

عہدہ داروں سے بالکل مختصر سی گفت گو کے بعد لارنس اسی تیزی سے روانہ ہو گیا جس تیزی سے کہ وہ آیا تھا۔ لوگوں کو بالکل مایوسی ہو گئی۔ یہ شخص ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا جو آگ کھا سکتا ہو۔ اس رات جب وہ وہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے ان میں گرم گرم بحث ہوتی رہی۔

ان میں سے بہتوں نے یہی سمجھا کہ انھیں کسی بناوٹی سورما سے ملایا گیا ہے۔ لہٰذا انگریزی فوج کے بیشتر سپاہیوں کی طرح، لارنس کا وجود، ان لوگوں کے لئے بھی بالکل معمہ بنا رہا۔

لارنس نے ایک دفعہ پھر، اس وقت جب کہ ختم ماہ کے قریب لوگ فوجی کارروائیوں میں مصروف تھے اونٹ دستہ کا معائنہ کیا۔ اور ابال لسان کے مقام پر اپنے تمام معاونین کی ایک کانفرنس طلب کی۔

اس ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ شریف کی فوجوں میں بڑی اندیشہ ناک بغاوت نے سر اٹھایا یہ عربوں کی باہمی بچکانی رقابت کی دوسری مثال تھی۔

بادشاہ حسین نے جعفر پاشا پر حملہ کر دیا۔ جعفر ایک ہوشیار شامی تھا اور اس کو اس وقت گرفتار کر لیا گیا تھا جب کہ وہ ترکوں کا مددگار تھا۔

لیکن بعد میں شریف کی فوجوں میں اس نے رفقا کارانہ خدمات پیش کیں۔ اور اس فوج کو کافی طاقتور بنانے میں خاصا کام کر گیا۔

جعفر اور اس کے ہم عصر ساتھیوں نے اپنی دست برداری پیش کر دی۔ شہزادہ فیصل نے اپنے باپ کے اُس بے وقت حملہ سے برہم ہو کر ان کو چھوڑ دینے سے انکار کر دیا۔ فیصل اور اس کے بھائیوں نے اپنے باپ کے پاس مکہ کو خطوط اور تار بھجوائے جس میں جعفر کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان خطوں کی عبارت ایسی تلخ و تند تھی کہ لارنس کو اسے مدھم کرنا پڑا۔ لیکن اس پر بھی بوڑھے بادشاہ نے ایسے جوابات دیئے کہ انھیں اپنے پیغاموں کو تبدیل کرنا پڑا۔

اِس واقعہ کا ایک پہلو تو خوش آیند تھا لیکن دوسرا المناک اِسلئے کہ فوجیں آخری حملہ کے لئے صف آرا ہونے کے لئے تیار کھڑی تھیں۔ اور یہ حملہ وہ تھا جس کے متعلق لارنس نے اِطمینان دلایا تھا کہ گھڑی کے کانٹوں کی سی پابندی وقت کے ساتھ ہوگا۔

اس جھگڑے کو چکانے کے لئے لارنس کو اپنی چرب زبانی اور عقلمندی کو پوری طرح کام میں لانا پڑا۔ بالآخر بد رستے اور فوجیں صرف ۳۶ گھنٹوں کی تاخیر سے آگے بڑھیں۔

یہ ۳۶ گھنٹے بڑی قدر و قیمت کے تھے۔ اور ان کی تلافی کرنی تھی۔ کوچ کی ابتدا اپنی مشکلات اور خطرات رکھتی تھی Negelshater کی ہولناکیوں تک پہنچنے تک سفر کافی آسانی سے لیکن مدھم رفتار سے طے ہوا۔

لیکن Negel shtar نے گویا لاتنہاہی گھنٹوں کی

مزاحمت پیش کردی۔ اگر یہ معاملہ اتنا ہی ہوتا کہ اونٹوں اور اونٹنیوں کو پیدل
راستوں اور پگڈنڈیوں پر سے لے جایا جائے تو گر پڑ کر پیچ وخم کھاتے ہوئے
راستہ کے ذریعہ چوٹی تک پہنچنا آسان تھا۔ لیکن لوگوں کے مختلف جزوی
معاملات پر بھی توجہ دینی پڑتی تھی جن میں آتش گیر مادّوں Tenpounder guns
اور تیز مارنے والی بندوقوں کو Negb کے اوپر باری باری گھسٹ
کر لیجانا اور وقت بے وقت ضدی اونٹوں کو راستہ پر لگانا بھی شامل تھا۔
جو عین درمیان راہ میں ہر قسم کی حرکت سے اِنکار کر دیتے تھے۔
تمام گاڑیاں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں اور پہاڑ کی بلندی تک
پہنچنے تک آدمی پہیوں کی سلاخوں کو ہاتھوں سے گھماتے جاتے، اور کندھوں
سے ڈھکیلتے جاتے تاکہ انجنوں کی ذاتی قوت کے ساتھ یہ انسانی قوت بھی
شریک ہو جائے۔ وہ پسینہ پسینہ ہو جاتے اور درد و کرب سے بلبلانے لگتے۔
غذا کا مسئلہ بھی پوری توجہ کا محتاج تھا۔ اس لئے کہ مختلف راتبوں کو
علیحدہ علیحدہ رکھنا پڑتا۔ فوج کے مختلف فرقوں کی غذا خاص نوعیتوں کی
ہوتی۔ انگریزوں، فرانسیسیوں، عربوں، مصریوں اور گورکھوں کی غذا
کے مختلف صندوق اور گٹھے تھے۔ غذا بالکل مختلف اجزا پر مشتمل ہوتی۔
ہر قوم کے افراد اپنی اپنی غذا اپنے ہی پاس محفوظ رکھے ہوئے تھے۔
میجر ینگ۔ Young جن کے ذمہ نقل و حرکت کے اِنتظام
کا مشکل کام کیا گیا تھا اِس سلے جلے خاندان کے دوست بلکہ بمنزلہ ماں باپ
کے تھے۔ اس کے ساتھ انھیں یہ بھی دیکھنا پڑتا کہ موٹروں اور طیاروں
کے لئے کافی مقدار میں پٹرول راستہ میں موجود ہے یا نہیں۔
یہ سب بہت ضروری چیزیں تھیں۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ حملہ آور فوج

کی روح رواں تھیں تو یہی چیزیں تھیں۔ ابا آل لسان سے روانگی کے بعد پہلی منزل جفر Jfer کی تھی جو ۶۰ میل کے فاصلہ پر واقع تھی۔ جفر سے بیر بھی اتنے ہی فاصلہ پر تھا۔ اور بیر سے ازرق ۱۲۰ میل پڑتا تھا۔ ازرق کی چھاؤنی وہ چھاؤنی تھی جہاں سے متحدہ طور پر پیش قدمی کی جانے والی تھی۔ نقشوں میں جفر، بیر اور ازرق کو نخلستان بتایا گیا ہے لیکن دراصل نہایت ہی بنجر سرزمین ہے۔ یہ صرف پانی کے چشمے ہیں۔ یہاں نہ آدمیوں کو غذا مل سکتی ہے اور نہ جانوروں کو چارہ۔ اور اگر کوئی فوج یہاں چند روز کے لئے بھی پڑاؤ ڈالی رہے تو اسے اپنے ساتھ ہی کی غذا کھانی پڑے گی۔

اس لئے ان ابتدائی انتظامات پر بھی پوری توجہ دینا لازمی تھا۔ میجر ینگ کے صبر و تحمل کی داد دینی چاہیئے کہ غیر تربیت یافتہ اور غیر منظم اونٹ سواروں سے کام لے کر وہ بدرقوں کو مقامات معہودہ پر پہنچانے کی مشکل ذمہ داری سے عہدہ برا ہو گئے۔ جو مختصر پیمانہ پر باقاعدہ فوج کی نقل و حرکت کے مماثل تھی۔ ان بدرقوں کا مقررہ روز مقررہ مقام پر رہنا ضروری تھا۔ اس میں ناکامی کے معنی بالآخر موت اور تباہی کے سوا اور کچھ نہ تھے۔

کہیں کہیں وقت ضائع ہو گیا تھا جس کی تلافی ضروری تھی۔ میجر ینگ کو لارنس کی طرح جادو جگانا تو نہ آتا تھا جس کے اثر سے چاند کو آسمان سے ہٹا لیں۔ لیکن ان کی زبان بڑی پر تاثیر تھی۔ جو ابتداء ہی سے ان تمام غریب بیچاروں کی موجودہ اور آیندہ ممکن الوقوع ہولناک مصیبتوں میں نرمی اور اخلاص کے ساتھ شریک رہی۔ وہ بدقسمت جو اس کا اندازہ

بھی نہ کرسکتے تھے کہ "لارنس اعظم" کی تمنائیں کس طرح برآ رہی ہیں۔

میجر ینگ کی اس جد وجہد میں بظاہر کوئی عظمت نظر نہ آئے گی۔ اور یہ رسد کی فراہمی کا معمولی کام دکھائی دے گا۔ بریں ہم اگر رڈیشیا کے موجودہ گورنر (میجر ینگ) سے یہ پوچھا جائے کہ ان کے طویل اور اہم دور میں سب سے زیادہ خوشگوار بات کونسی ہے تو اغلب ہے کہ وہ اسی زبردست کارنامہ کو چن لیں گے۔ یعنی دمشق پر لارنس کے آخری ہلّہ کے لیئے رسد کے انتظام کو۔

وادی کے اوپر جب لڑنے والی فوجیں بڑھتی نظر آئیں تو لارنس خود بھی حرکت میں آیا۔ وہ اپنے اونٹ کو چھوڑ چکا تھا اس لیئے کہ آخری لڑائی میں تیزی رفتار بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ اور یہ وہ لڑائی تھی جس میں لارنس یہ ثابت کرنا چاہتا کہ خود وہ اور اس کے عرب اپنے قول کو پورا کرسکتے ہیں۔ وہ ہتیار بند موٹر میں بیٹھ گیا جس میں آیندہ کئی دنوں تک اس کو سفر کرنا تھا اور کوچ کی جھنڈی ہلا دی۔

تقریباً دو سال پہلے اس نے شہزادہ فیصل سے کہا تھا کہ اسکی منزل مقصود دمشق ہے تمام ضمنی امور ختم ہو چکے تھے۔ پانچ پانچ سو میل کے مجنونانہ دھاوے، ریل کی پٹریوں کا علانیہ اڑانا، دشمن کی فوجوں میں ہمیشہ کا آنا جانا (وہ بھی اس خدشہ کے باوجود کہ اسس میں اسے ایک دن اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا) اور اس کے علاوہ وہ تمام عظیم الشان منصوبے جو آخر ناکامی پر ختم ہوئے ——— سب کے سب ختم ہو چکے تھے۔

جرنیل الن بائے کو لارنس نے کہا تھا کہ جب وہ دریائے جورڈن کی

دوسری سمت میں کوچ کے لئے تیار ہوجائے تو عرب ترکوں کو شمالی عربستان سے نکال دیں گے۔ ملک شام سے بھی نکال دیں گے۔ اور بالآخر جنگ سے بھی نکال باہر کریں گے۔

اپنے اقدامات پر اس کو پورا اعتماد تھا۔ ازرق قدیم سب کے جمع ہونے کا مقام قرار پایا جہاں لوگوں کے لئے اس نے کافی سامان رسد منزل مقصود تک لے چلنے کے لئے تیار رکھا تھا۔ پسپائی کے امکان سے عہدہ برا ہونے کے لئے اس نے کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ بس اس کو دمشق فتح کرنا تھا۔ اور فتح کے بعد عرب فتحمندوں کی حیثیت سے اپنے ملک پر قابض ہونے والے تھے۔ تو پھر پسپائی پر غور کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

یہ ایک جمی جمائی اور بہت ہی مخلوط قسم کی فوج تھی جس کو وہ ازرق لے آیا تھا۔

شریف کی فوج میں اونٹوں کے ۴۵۰ دستے تھے۔ جس کے سب لوگ منتخب، خاصے تربیت یافتہ اور تجربہ کار لڑنے والے تھے۔ انھیں میں وہ بندوق باز بھی شامل تھے جن کے پاس وکارز اور ہاچ کس قسم کی کلدار توپیں تھیں۔ ایک چھوٹی سی ٹکڑی ان فرانسیسی توپچیوں کی تھی جن کی تحویل میں تیزی سے سر ہونے والی بندوقیں تھیں۔ اور پھر انگریزی ہتیار بند موٹریں اور ان کی ایندھن گاڑیاں تھیں۔ مصری اور ہندوستانی اونٹ سواروں کا بھی ایک ایک دستہ تھا۔ اور دو طیارے بھی تھے۔

کل ملاکر ایک ہزار سے بھی کم آدمی تھے۔ جو ترکوں کی اس بے جسگر فوج سے لڑنے جارہے تھے جو تعداد میں ان سے دس گنی تھی۔ ترک اب سمجھ چکے تھے کہ آخری تلخ انجام تک انھیں عربوں سے لڑنا پڑیگا۔ یعنی ایک

ایسی لڑائی جس میں رحم وکرم کو دخل نہ ہو۔ جو مرتے دم تک لڑی جائے۔ جس میں ہارنے والے کے لئے زندگی موت سے بدتر ہو۔

وہ ارزق تک پہنچ گئے۔ لیکن کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔

مختلف خیموں میں لارنس گھومتا گھامتا پھرتا اور ہر چیز سے مطمئن ہوتا۔ اس نے احکام کی فوری بجا آوری کی اہمیت سب کے ذہن نشین کرا دی تھی۔ ناکامی کے معنی عربوں کی رسوائی کے تھے۔ جن کی جانب سے وہ کامیابی کا وعدہ کر چکا تھا۔ اس کے یہ معنی تھے کہ ترک عربوں کو ایسے پھندے میں جکڑ دیں گے جہاں سے سوائے موت کے دروازے کے اور کہیں سے رہائی نصیب نہ ہو سکے گی۔

یہ عربوں کی آخری جنگ آزادی تھی۔ اس لئے مزاحمتیں جو بھی ہوں، ان کے لئے جیتنا ضروری تھا۔

ستمبر کی دس تاریخ تھی۔ دونوں طیارے پڑاؤ کی سرزمین کے اوپر چکر کاٹ رہے تھے جن کو دیکھکر عرب خوشی سے واہ واہ کے نعرے لگا رہے تھے مرفی اور جونز یہ دو ہوا باز تھے جنھوں نے لارنس سے کہا کہ شہزادہ فیصل اغلب ہے کہ کل یہاں پہنچ جائے۔

دوسرے دن کرنل جوائس میجر اسٹرلنگ کے ساتھ آن پہنچے۔ ان کا آنا ہی تھا کہ لارنس نے انگریز عہدہ داروں کی ایک کانفرنس منعقد کی۔ اور اپنے منصوبے ان سے بیان کئے اور آخری دفعہ خطرہ سے بھی متنبہ کر دیا۔ اور اختتام پر اتنا کہا کہ "ناکامی ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔

اس وقت تک انگریز عہدہ داروں کی یہ جماعت پوری طرح سمجھ نہ سکی تھی کہ اس کی کامیابی پر کیا کچھ منحصر نہ تھا۔

دوسرے دن لارنس نے بعض بہت ہی عجیب لوگوں سے ملاقات کی ۔ اور خفیہ طور پر ان سے گفتگو کی ۔ مثلاً یہ کہ فلاں جگہ لوگ زیادہ تعداد میں رہیں ۔ اور فلاں جگہ غلہ خریدا جائے اور کسی جگہ ڈائنا مُنٹ جمع رکھے جائیں بسونا انھیں دیا گیا۔ اور لارنس کی ہدایتوں کے ساتھ وہ خیمہ سے نکلکر چپکے سے چلے گئے ۔

لارنس نے ان آدمیوں کا انتخاب بڑی ہوشیاری سے کیا تھا ۔ وہ جانتا تھا کہ ان میں کا ہر ایک قریب ترین راستہ سے ہوکر ترکوں تک جا پہنچے گا ۔ اور اس کے مفروضہ منصوبے ترکوں کے ہاتھ بیچ دے گا جس کے باعث ترک سرگرم ہوجائیں گے ـــــــ لیکن غلط سمت میں ۔

سردست وہ چاہتا تھا کہ ساری فوج کو اس کے اقدامات سے دلچسپی پیدا ہو ۔

دوسرے دن وہ شمالی سمت میں اور آگے بڑھے ۔ یہ وہ ملک تھا جو نہ عربوں کا تھا نہ ترکوں کا تھا ۔ وہ دروزیوں کے علاقہ کی پہاڑیوں میں سے گزرہی رہے تھے کہ آگے کے خبر رساں سپاہیوں میں سے کسی کی چیخ سنائی دی ۔ سننے والوں نے اس سمت میں پلٹ کر دیکھا جس طرف وہ اشارہ کر رہا تھا ۔

اس طرف ایک ہوائی جہاز تھا ۔ جو جرمنوں کا تھا ۔

یہ بھی ایک انوکھی بات تھی ۔ وہ بہت ہی قریب آیا ۔ وہ یہ معلوم کرنے پر تلا ہوا تھا کہ یہ انبوہ جو فوج سے اتنا مشابہ اور آوارہ گرد عربوں کی بھیڑ سے اتنا مختلف ہے دراصل ہے کیا ؟

لارنس نے دیر نہیں کی ۔ اور فوراً للکارا ۔ چھپ جاؤ ۔ اور پھیل جاؤ ۔

لارنس کا مقصد یہ تھا کہ کم سے کم لوگوں کو ہوا باز دیکھ سکے۔ لیکن اس کو لارنس کی نیز اس کی فوج کے مستقبل کی خوش نصیبی سمجھنا چاہیئے کہ ان کے دو ہوا بازوں میں کا ایک ہوا باز جو اس وقت پرواز کر رہا تھا اس ناخواندہ مہمان کی آمد کو بھانپ گیا۔

جرمن طیارہ جدید قسم کا، دو نشستوں والا تھا۔ لیکن ہوا باز مرفی پرانی ساخت کے بی۔ ای۔ ۱۲ کی وضع کے جہاز میں پرواز کر رہا تھا۔ اس کا طیارہ جرمن طیارہ سے بہت زیادہ تیز رفتار تھا۔ مرفی نے اس سے زیادہ بلندی تک پرواز کی، اور ایک ہیبت ناک غوطہ لگا کر جرمن طیارے کے عقبی حصہ پر آگرا۔

جرمن ہوا باز نے اس کو دیکھ لیا ہوگا اس لئے کہ وہ اس غوطہ سے صاف بچ کر نکل گیا۔ اور مرفی کا جہاز گرجتا ہوا جب بازو سے ہو نکلا تو اس نے اس پر آتش باری کی۔ مرفی کا چھوٹا سا جہاز ڈگمگا گیا۔ لارنس اور اس کے ساتھیوں کی سانس پھول گئی۔ انھوں نے سمجھا کہ شاید اسی پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔

دہشت دلوں سے دور نہ ہونے پائی تھی کہ انگریزی طیارہ نے یکایک پستی سے بلندی کی طرف پرواز کی اور اپنے دوسرے ہی پھیرے میں جرمن طیارہ کو آدبوچا۔ را...... ٹ ٹا......... ٹ ٹا......... ٹ کی آواز کے ساتھ دھواں فضا میں بلند ہوا اور پھر جرمن طیارے سے شعلے بھڑک اٹھے۔

نیچے مختصر سا مجمع خوشی سے نعرے لگا رہا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ کسی قدر خطرناک حرکت یہ کی کہ دشمن کا طیارہ جب تیزی سے پیچ و خم کھاتا ہوا پہاڑوں پر آ رہا اور تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر آگ کے شعلوں میں جل کر تباہ ہوگیا تو انھوں نے فضا میں بندوقوں کی باڑ مارنی شروع کی۔

مرفی کے طیارہ کو بھی پہلے غوطہ میں بری طرح نقصان پہنچ چکا تھا۔ اور وہ بیکار ہو گیا تھا۔ لیکن وہ بہر حال صحیح و سلامت زمین پر اتر آیا۔

اب لارنس کی ہوائی فوج میں صرف ایک طیارہ باقی رہ گیا۔

۱۱

اپنے منصوبہ کی راہ سے اس ہوائی خطرہ کے دور ہونے کے بعد لارنس کا ارادہ درہ Derra کی طرف بجانب شمال پیش قدمی کا تھا۔ پہلے اس نے مصریوں اور گورکھوں کو ہتھیار بند موٹروں کی پشت پناہی کے ساتھ آگے روانہ کیا کہ وہ درہ Derra اور عمان کے درمیان کی ریلوئے لائن کو اڑا دیں۔ تاکہ ترک جنوب کی طرف سے کمک نہ بھجوا سکیں لیکن قسمت نے اس اقدام کو عجیب چکر دیا۔ وردی پہنے ہوئے مصری اور گورکھے جو اس ملک میں بالکل اجنبی تھے بغیر کسی رکاوٹ کے لائن تک پہنچ گئے۔ اس لائن کی حفاظت مقامی عربوں کی ایک جماعت کر رہی تھی جس کے لئے ترکوں کی طرف سے انھیں تنخواہ ملتی تھی۔

اگر حملہ آور جماعت خود ان کے ہم وطنوں پر مشتمل ہوتی تو یہ بات بہت آسان تھی کہ ترکوں سے کسی قدر زائد سونا دے کر ان محافظوں کو حملہ آوروں

میں بدل دیا جائے۔

لیکن موجودہ صورت حال کے تحت عرب نہیں سمجھ سکتے تھے کہ یہ عجیب قسم کے لڑنے والے آخر آ کہاں سے رہے ہیں۔ اس لئے انھوں نے ان کو واپس لوٹا دیا۔

لارنس بے قراری سے نظام الاوقات کی پابندی پر تلا ہوا تھا۔ اس لئے اس اطلاع نے اس کو ایک حیرت انگیز ارادہ کی طرف مائل کر دیا۔

اس وقت یہ ناممکن تھا کہ اونٹ سوار ریلوے کے لائن تک جائیں اور پھر مرکزی فوج سے آملیں۔ اب اتنا وقت باقی نہیں رہا تھا۔

اس لئے لارنس نے کہا۔

"ایندھن گاڑیوں کو بھر دیا جائے۔ اس لائن کا اڑانا بہت ضروری ہے۔ میں خود موٹروں کو لائن تک لے جاؤنگا۔ اور بعد میں تم سے آن ملونگا

یہ ایک مجنونانہ دھاوا تھا۔ اس وقت لارنس کی نظر ایک پل اور اس سے تقریباً دس میل عقب میں ایک اسٹیشن پر تھی۔ ایک ایندھن گاڑی آتش گیر روئی اور آتش گیر مادوں سے بھر دی گئی۔ جس کے بعد کرنل جوائس کی رفاقت میں لارنس روانہ ہوگیا۔ اس ایندھن گاڑی کے دونوں جانب ہتیار بند موٹریں گونجتی گرجتی بڑھی جا رہی تھیں۔ یہاں ایک خطرہ یہ تھا کہ کوئی نشانہ اس ایندھن گاڑی میں پڑتا تو ان سب کو سربفلک بلندیوں تک اڑا دیتا۔

بہرحال ہوا یہ کہ ترکوں کا خطرہ کے لئے تیار رہنا تو کجا، انھیں خبر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ یہ موٹریں ان کے سر پر جا دھمکیں۔ نتیجۃً ترک خود ہی مغلوب ہو گئے۔ لارنس پل پر چڑھا اور وہ مبالغہ آمیز کتبہ پڑھا جو سلطان ع

کی مدح میں تھا۔

اور پھر کہا۔ ہے تو سہی بڑا ہی پر لطف۔

ڈیڑھ سو پونڈ آتش گیر رو ئی نے اِس کتبہ کو معہ پل کے بالکل ڈھیر کر دیا۔ اور اس سے کسی قدر زائد مقدار کے ذریعہ اسٹیشن اور لائین کے کچھ حصہ کو بالکل از کار رفتہ کر دیا گیا۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا۔ اس طرف ایک بڑا ہی دلفریب جلوس لارنس کی فوج کے سامنے، بلندی پر سے گزر رہا تھا۔ انگریزی فوج کے بمبار ڈیرہ کو جاتے تھے۔ وہ جب گزرنے لگے تو اس گری پڑی فوج نے خوشی سے کرخت لہجہ میں نعرے لگانے شروع کئے۔ یہ معلوم ہوتا تھا گویا یہیں پر جنگ کا میدان گرم ہے۔ فوج کے سامنے اور آزو بازو فوجی خبر رساں Scouts وقتاً فوقتاً خط فلکی کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے بڑھے جاتے تھے۔

اَب فوج Derra کے متوازی ایک بہت ہی اونچی بلندی سے لیکر نشیب کی پہاڑیوں تک میلوں لمبی ہوگئی اب انھیں شہر کی چمک دمک اور دھنوؤں کے بڑے بڑے ستون بلند ہوتے ہوئے نظر آنے لگے۔ بمبار شہر تک پہنچ چکے تھے۔۔ ادھر کو جب وہ Tellazar کے قریب پہنچے لارنس ریلوے لائن پر سمٹ آیا اور اپنے بعض فیتلے وہاں نصب کر دئے۔ اِس تنصیب کے وجوہ کو اس نے عجیب و غریب تصریح کے ساتھ ان ہدایتوں میں بیان کیا ہے جن سے پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ نیا "شگوفہ" کس طرح پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔

اس نے لکھا ہے " فولادی سلیپر والی ریلوے لائن کو تباہ کرنے کا یہ بہت ہی آسان اور بہت ہی موثر طریقہ ہے۔ ریل کی سڑک کے مین وسط راہ میں پٹری کے کسی درمیانی سلیپر کے نیچے ایک سوراخ کھود لو۔* . . . . جب وہ یہ کر چکا تو وہ Derra کو دیکھنے کے لئے اوپر چڑھا۔ فوج اس وقت کسی قدر قریب آگئی تھی لیکن اس کے لئے تو شہر کا نظر آنا ہی کافی تھا۔ اس نے آدمیوں کو بلندی سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ لیکن اس میں بہت تاخیر ہو گئی تھی۔

وہ دشمن کے اس طیارہ گاہ پر دانت لگائے ہوئے تھا جو سرگرمیوں کا گویا مرکز تھا دشمن کے نو طیارے گھومتے پھر رہے تھے۔ لیکن انھوں نے بھی ان بمباروں کے تعاقب میں بہت دیر کر دی تھی جو بہت پہلے واپس ہو چکے تھے۔ لیکن پہاڑیوں پر مسلح فوج کے آثار معلوم کرنے کے لئے ان کا یہ اقدام بہت ہی بر وقت تھا۔ افق کے مقابل میں ان طیاروں نے لارنس کے طلایہ کی نقل و حرکت کو بھی دیکھ لیا تھا۔

کھلی فضا سے چٹانوں کی پناہ گاہوں میں بکھرنا شروع ہو گیا۔ اونٹوں کو حتی الامکان دشمن کی نظر سے مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی۔ اور ہر ممکنہ وسیلہ کو بروئے کار لایا جاتا کہ دشمن کا نشانہ بننے کا امکان کم سے کم ہو جائے۔

طیارے گونجتے گرجتے، وادی میں اور چوٹی کے اوپر گشت لگا رہے تھے۔ جہاں کہیں کسی نقل و حرکت کا پتہ ملتا وہ بم گراتے۔ اور پہاڑوں پر مشین گن سے گولیاں برساتے۔ ہر وقت بلندی اور پستی میں ان کے جھپٹے برابر جاری تھے۔ ایک گھنٹہ تک شہد کی مکھیوں کی طرح وہ لارنس

* تفصیل کو غیر ضروری اور غیر دلچسپ سمجھ کر حذف کر دیا گیا۔

کے آدمیوں کا نرغہ کئے رہے۔ صورت حال بہت تیزی سے خطرناک ہوتی جارہی تھی کہ لارنس کا واحد طیارہ حملہ آوروں کے درمیان آدھمکا۔

یہ جونر کا بی۔ ای۔ ۱۲ کا طیارہ تھا جو بالکل سست رفتار اور قدیم وضع کا تھا۔ لارنس کی یہ "شیطانی چڑیا" عربوں کو بتانے دکھانے کے لئے تو خوب تھی لیکن دشمن کے مقابلتہً تیز رفتار اور خوب آراستہ طیاروں کے مقابلہ میں کوئی زیادہ مفید نہ تھی۔

لارنس اور اس کے آدمی بے چینی سے ٹکٹکی باندھے ہوئے تھے جونر نے دشمن کے طیاروں کے اطراف ایک چکر لگایا اور اس طرح گویا وہ کہہ رہا تھا:"

"مزاج تو اچھے ہیں؟" اور ساتھ ہی مڑکر ایک طرف کو بھاگ کھڑا ہوا۔ اور نتیجتہً جب دشمن کے طیاروں کا جتھے کا جتھا اس کے پیچھے جھپٹ پڑا تو نیچے ہر شخص نے اطمینان کی سانس لی۔

جب وہ نکل گئے تو لارنس اور اس کے آدمیوں نے ممکنہ بہتر طریقہ پر نظم و ضبط قائم کرلیا اور اس چھوٹی سی فوج کو ایک خطرناک صورت حال سے باہر نکال لائے۔ جب میدان صاف ہوگیا تو لارنس کو فوراً خیال آیا کہ جانباز جونر پر کیا گزری ہوگی۔ جونر جب واپس آیا تو دشمن کے تین طیارے اس کا تعاقب کئے ہوئے تھے۔

چند لمحوں تک وہ نہایت حیرت ناک مظاہرہ پیش کرتا رہا۔ یعنی جھانسے دے دے کر کسی گھڑگھڑاتی ہوئی موٹر بس کی طرح جہاز کی رفتار سست کر دیتا جس سے محیرالعقول طریقوں پر وہ ان تینوں برافروختہ حملہ آوروں کی معاندانہ توجہ سے بچ جاتا۔ اس نے ایک زمین دوز چکر لگائی

اور وادی میں ایک تحریری پیغام پھینک سکا۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ طیارہ چلاتے چلاتے کس طرح وہ اس کو گھسیٹ سکا ہوگا۔ اس نے لکھا تھا۔

پٹرول ختم ہوگیا ہے۔ میں نیچے اتر رہا ہوں۔

وہ نیچے اتر آیا اور ایک گھسی پسی چٹان سے آکر ٹکرایا۔ وہ بالکل پیٹھ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اور جب لوگ اس کو شکستہ جہاز سے نکالنے کے لئے دوڑے تو دشمن کے جہاز یکے بعد دیگرے غراتے ہوئے نیچے کی طرف جمع ہوگئے۔ اور اس حصہ میں گولیوں کی بوچھار کر دی۔

جونز گڑبڑا کر باہر نکلتا اور ایک طرف کو جھپٹتا نظر آیا۔

اس نے اپنی لوئس ساخت کی بندوق جھٹکے سے کھینچ کر باہر نکالی اور کھول کھال کر تیار کر لیا اس کو دیکھکر وہ فورڈ ایندھن گاڑی والے بھی چکر میں تھے جو بھاگتے دوڑتے مدد کے لئے آن پہنچے تھے۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ جسم پر پٹرول اور پسینہ کی دھاریاں پڑی ہوئی تھیں غصہ اور جوش سے وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

اور جب اس نے للکار کر کہنا چاہا تو غصہ سے اس کی زبان لڑکھڑا جاتی تھی۔

اس نے کہا۔

"میں ان کو بندوق کا نشانہ بناؤنگا"۔ (فورڈ ایندھن گاڑی پر ہاتھ مار کر۔)

انھوں نے ابھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا ہے"۔ ہوا بازوں نے اس کی آخری حالت نہیں دیکھی ہوگی اس لئے کہ اس کا بقیہ وقت ترکوں کے تعاقب

اور چھوٹی سی فورڈ ایندھن گاڑی کے عقب سے ان پر گولیاں چلانے میں گزرا۔
لارنس بھی ٹھہرا نہیں رہا۔ اس لئے کہ دشمن کے لوٹ آنے کا امکان تھا۔ اور یہ تو کوئی جانتا نہ تھا کہ درہ کی ترکی فوج سے ان پر کیا افتاد پڑے گی لیکن درہ کی طرف بالکل سکوت تھا۔ اور چند دنوں بعد جب اس بستی پر قبضہ ہوگیا تو اس سکوت کی وجہ سمجھ میں آئی۔

ترکوں کی اطلاعیں اور پیغامات جو دستیاب ہوئے وہ واقعی بڑے مضحکہ خیز تھے۔ ان میں سے ایک میں لکھا تھا۔ شریف فیصل کے تحت ۸ ہزار لوگ بستی پر چڑھ آرہے ہیں۔

دوسرے میں لکھا تھا زبردست حملہ آور فوجیں بڑھی آرہی ہیں۔ لیکن فیصل کے زیر کمان نہیں اس لئے کہ اطلاع کے بموجب وہ ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔

جنوب کی طرف جو اطلاعیں بھیجی گئیں ان سے بھی ان کی بدحواسی ظاہر ہوتی تھی۔ لکھا تھا یہ شمال کی طرف کے اسٹیشنوں اور دمشق تک تار نہیں بھجوائے جا سکتے۔ ٹیلگراف کی لائن میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔

واقعی ٹیلگراف کی لائن میں بہت بڑی خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ لارنس نے حفظ ماتقدم کے طور پر انھیں کاٹ دیا تھا۔

درہ کے طیاروں سے جب وہ خوش قسمتی سے بچ نکلا تو اس کا دوسرا اقدام تل الشہاب کی طرف تھا۔ بیزیب سے نپٹنے کے لئے اس نے کچھ فوج بھیجدی تھی۔ جو درہ اور فلسطین کی سڑک پر واقع تھا۔

تل الشہاب پر ایک نظر کافی تھی۔ لارنس اب بہت ہی احتیاط سے قدم بڑھا رہا تھا۔

وہ راستہ طے کرتا اس بہتر مقام پر جا پہنچا جہاں سے چھاؤنی صاف نظر آسکتی تھی۔ اور یہ منظر آگے چلکر اور بہت ہی نمایاں ہو گیا۔

دشمن سے ۲۰۰ گز کے فاصلہ پر جب اس نے اپنی سپاہ کی مورچہ بندی کر دی تو دیکھا کہ مزید کمک شمال کی جانب سے بڑھی چلی آتی ہے۔ ان کے ساتھ بندوقیں تھیں۔ مشین گنیں تھیں اور سیکڑوں کی تعداد میں سپاہی تھے۔

لڑائی کے متعلق ان دنوں لارنس کا نقطہ نظر یہ تھا کہ دور اندیشی سے جانیں سلامت رہ سکتی ہیں۔ اور گادزوری خودکشی کے مترادف ہے اس لئے کہ اگر دشمن کی نئی فوجوں کی توجہ ذرا بھی اس طرف مائل ہو جاتی تو وہ نہایت آسانی سے ان کا صفایا کر دے سکتی تھیں۔ لارنس نہایت پر اطمینان طریقہ پر اپنی فوجیں ایک میل پیچھے ہٹا لے گیا۔

یہ پیچھے ہٹنے کا سفر کوئی آسان کام نہ تھا۔ ایک دوسرا عہدہ دار اس سے آن ملا۔ اور وہ اس صورت حال پر گفتگو کرتے رہے۔ ۵ میل کے فاصلہ پر درہ کی بستی میں ۳۰۰ ہزار برافروختہ ترک موجود تھے اور خوب جانتے تھے کہ یہ علاقہ "دشمنوں" سے پٹا ہوا ہے۔ آگے کی طرف ٹوٹی ہوئی لائین تھی جس کی اب غالباً حفاظت بھی کی جانے لگی تھی۔ پیچھے کی طرف ترکوں اور جرمنوں کی مخلوط اور آزمودہ فوج تھی جو بندوقوں سے لیس تھی۔

جب لارنس کے لوگ پیچھے کی طرف پہاڑیوں میں چکر کاٹنے لگے تو انھیں حیرت تھی کہ یہاں کے مقامی لوگ ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ یہ لوگ پہاڑیوں میں چھپے دیکھ رہے تھے۔ لیکن بعض وجوہ کی

بنا پر انھوں نے بند وقیں سرکیں اور نہ ان کی آمد کا ڈھنڈورا پیٹا۔
ایک دوسری نازک صورت حال تو یوں گزر گئی۔

لارنس نے حکم دیا کہ جنوب کی طرف سے ناصِب کی لائن کے محافظوں پر حملہ کیا جائے تاکہ پل پر خود کے دھاوے کی طرف ترک متوجہ نہ ہو سکیں۔ ترک خشم ناک ہو کر فوراً جنوب کی طرف گولیاں سر کرتے ہوئے بڑھے تو شمال کی طرف دل ہلا دینے والی گونج ان کے کانوں سے آکر ٹکرائی۔ لارنس پل تک پہنچ چکا تھا۔

یہاں ایک بہت ہی اہم حقیقت کا ذکر ضروری ہے۔ لارنس اس وقت گویا اس مقام پر تھا جس کے متعلق جرنیل الن بائے سے وعدہ کر چکا تھا کہ ان کا حکم پاتے ہی ۱۹ تاریخ کو ان کی مدد کے لئے تیار رہیگا لیکن نہ تو یہ مقام ہی ٹھیک تھا اور نہ کوئی نقطہ نظر سے مناسب حال تھا۔

لارنس کے ساتھی جانتے تھے کہ وہ منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے۔ لیکن انھیں پوچھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ کیسے؟ فوجوں اور ان مقاموں کو دیکھتے ہوئے تو لارنس کی صورت حال قطعاً مایوس کن تھی۔

یہ صحیح ہے کہ جرنیل الن بائے مغرب میں صرف ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر تھے لیکن لارنس اور ان کے درمیان حجاز ریلوے کی محافظ دستوں کے علاوہ بھی یورپی ترکی فوج حائل تھی۔

لارنس کا اگلا کیمپ ریگستان میں ایک سو میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور مرکزی کیمپ تخمیناً ۲۵۰ میل دور تھا۔

یہ دونوں بھی اس کے لئے بیکار تھے اس لئے کہ نہ تو اتنا وقت ہی تھا اور نہ وہ وسائل ہی ہیں تھے کہ ان تک پہنچا جا سکے۔

لارنس نے کہا کہ آلن بائے کی طرف سے پہلی اطلاع ملنے تک ہمیں اس طرح ٹھہرے رہنا پڑے گا جس طرح کہ چھالیہ سروتے کے درمیان ہوتی ہے۔

لیکن اس دوران میں ساری فوج کے پاس غذا، گولہ بارود اور پٹرول اتنا ہی موجود تھا جو دس دن تک کفایت کرسکتا تھا۔

اور دس دن کے بعد ——؟

لارنس سے کہا گیا کہ مزریب Mezerib پر کیا کارروائی کی گئی تھی۔ جس کے بعد لارنس اور دو عہدہ داروں نے ان دو لائنوں کے اس جنگشن کی تباہیوں میں مزید اضافہ کرنا شروع کیا۔

ایندھن گاڑیوں سے انھوں نے ڈائنامنٹ اور بتیاں لیں اور اونٹوں پر سوار ہو، لائن کی طرف روانہ ہوگئے۔ موٹریں اتنا قریب سے گزر رہی تھیں جتنا قریب کہ وہ ان کو رکھ سکتے تھے۔ خود لارنس تو اسٹیشن پر مصروف رہا۔ لیکن اس کا مددگار ریلوے لائن کے نیچے سرنگیں بچھانے لگا۔ لیکن وہ اپنا کام جاری نہ رکھ سکا۔ اس لئے کہ جب اس نے ڈیرہ کی طرف نگاہ اٹھائی تو بستی سے اسے ریل گاڑی آتی نظر آئی۔

اس نے ایک جست لگائی اور واپس مزریب کو دوڑا ہوا گیا اور بدحواسی سے لارنس سے کہنے لگا۔

ایک گاڑی اس طرف آرہی ہے۔

لارنس نے پلٹ کر کہا۔ طیارہ ؟ کوئی ہرج نہیں۔ وہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ "نہیں طیارہ نہیں" مخاطب نے بے تحاشا

گرجدار آواز میں کہا " ریل گاڑی ؟"

ہاں ! پھر تو مشکل ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ سرنگوں کو سلگا دینا ہی بہتر ہے ۔

لیکن لارنس نے عجلت نہیں کی ۔ اور رفتہ رفتہ اپنے مددگار کے ساتھ بعض سرنگوں کو اڑا ہی دیا ۔ لارنس کا مددگار نہایت احتیاط سے سگریٹ سے بتیاں سلگاتا رہا ۔

تھوڑی دیر بعد لارنس کے اطراف گولے آ آکر گرنے لگے ۔ اسلیئے کہ اس ریل گاڑی پر ایک جنگی بندوق بھی تھی ۔ وہ اپنے اونٹوں تک جا پہنچے اور وہاں سے اپنی موٹروں کی طرف بھاگ گئے ۔

۱۲

کیپٹن پیک اور شاہی اونٹ دستہ نے لڑائی میں اپنا مفوضہ کام پورا کرلیا تھا۔ اور اس کی اطلاع دیکر پھر دوبارہ روانہ ہو گئے تھے ان کی تباہ کاریاں اندھا دھند نہیں ہوتی تھیں۔ انھوں نے ڈیرہ اور دمشق کے درمیان تخمیناً ۵ میل کا حصہ اپنے لئے منتخب کرلیا تھا اب اس حصہ میں ریل کی پٹریاں، ٹیلگراف کے تار اور محافظت کی چوکیاں جو بھی نظر آیا اس کو اچھی طرح تباہ کر چھوڑا۔ ترکوں کے لئے شمالی سمت سے کمک بھیجنے میں یہ مزاحمت کافی اثر انداز ہوئی۔ اور لارنس ان کارروائیوں کا بیحد ممنون رہا۔

جب شاہی اونٹ دستہ ازرق کی طرف روانہ ہوا تو لارنس موٹر کے ذریعہ انھیں کے پیچھے چل پڑا۔ تاکہ طیاروں کی طرف سے اطمینان کرلیا جائے

راستہ میں اسے خیال آیا کر Umtaiye بھی ہو آنا چاہیے جہاں گزشتہ دن دشمن کا ایک طیارہ دیکھا گیا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ افسرانہ شان کے ساتھ وہاں پہنچا جائے۔ لیکن ایک دفعہ پھر استعجاب انگیزی کا عنصر اس کے منصوبوں میں دخل پا گیا۔ وہ بے باکانہ طیارہ گاہ کی طرف بڑھا۔ لیکن ایک طیارہ نے لارنس کے دو ساتھیوں کو دیکھ لیا تھا۔ یہ بڑا ہی ٹیڑھا معاملہ تھا۔ اس لیے کہ موٹریں بھی دیکھ لی گئی تھیں۔ دھاوے کے لیے تیار ہو کر وہ سیدھا طیارہ گاہ کی طرف اس توقع سے بڑھا کہ طیاروں کے ہوا میں اڑنے سے پہلے ہی مشین گنیں چلا دی جائیں گی۔ لیکن اس میں لارنس نے بہت تاخیر کر دی تھی۔

قبل اس کے کہ ایک فیر بھی سر ہو سکے طیارے نہ صرف ہوا میں بلند ہو چکے تھے بلکہ ہتھیار بند موٹروں پر جھپٹ جھپٹ کر حملے کرنے لگے تھے۔ ہتھیار بند موٹروں کے چھوٹے چھوٹے برجوں اور فلزاتی پوششوں پر جب ان کے نشانے پڑتے ٹین کے ڈھولوں کی سی آواز پیدا ہوتی۔ اور ان لوگوں کو جو ان موٹروں کے اندر تھے، یہ آواز کوئی خوشگوار نہیں معلوم ہوتی تھی۔

ہتھیار بند موٹروں میں بیٹھ کر تعاقب کرنا اور زمینی دستوں پر حملے کرنا، بھی لڑائی کا ایک طریقہ ہے۔ لیکن جب یہ موٹریں طیاروں کا نشانہ بننے لگیں تو موٹر نشینوں نے ایسا محسوس کیا کہ وہ جانوروں کی طرح پھندے میں پھنس چکے ہیں۔ موٹروں پر بھی دو یا تین بم گرے لیکن لارنس کے ڈرائیوروں کی خوش نصیبی کہیے یا ترکوں کی غلط نشانہ اندازی کا نتیجہ سمجھیے۔ اس سے صرف یہ ہوا کہ موٹروں کے بے روغن کیے ہوئے حصہ پر صرف چند کھرچیں لگیں۔ اور فلزاتی پتھروں پر صرف چند سطحی نشان آئے

طیاروں سے نپٹنے بچانے کے دوران میں بھی اس نے ایک طیارہ کا خاتمہ کر ہی دیا اس طیارہ نے بہت ہی قریب اور نیچے آنے کی جرأت کی لیکن

اس کا خمیازہ بھی اس کو بھگتنا پڑا۔ کسی موٹر سے ایک گولی انجن کی ٹانکی میں جا لگی اور ایک زبردست آواز کے ساتھ وہ زمین پر آرہا۔ اور دھماکے کے زور سے ٹوٹ پھوٹ کر تباہ ہوگیا۔

دشمن کے طیاروں کی اس ناگوار مداخلت سے لارنس کو اپنی ایک تمنا یاد آگئی۔ اور اپنی ہوائی فوج میں بھی ایک طیارہ کے اضافہ کا خیال اس میں پیدا ہوا اس لیے کہ اس وقت اس کی ہوائی فوج میں ایک ہوا باز بغیر طیارہ کے موجود تھا۔

اس نے اپنی موٹروں کو Umtaiye سے لے چلنے کا حکم دیا۔ اور جب وہ پہاڑوں کے تنگ راستوں سے گزرنے لگے تو دشمن کے بقیہ طیارے ان کے راستے پر منڈلانے اور مشین گن سے گولیاں برسانے لگے حتیٰ کہ وہ خود ہی اپنے اس مشغلہ سے تھک گئے۔

بعض عربوں نے موٹروں کے ساتھ ساتھ دوڑنا چاہا۔ لیکن بدقسمتی سے ان میں سے بہت سے مشین گن کی راہ میں حائل ہوکر موت کا شکار ہوگئے اور اس طرح لارنس سے اپنی ناعاقبت اندیشانہ وفاداری کا خمیازہ انھیں بھگتنا پڑا۔

پھر ایک دفعہ اپنی خود رائی سے کام لے کر ازرق پہنچنے کے لیے اپنے ابتدائی منصوبہ کی تکمیل کے خیال سے لارنس اس طرف چل پڑا۔ جہاں اسکو توقع تھی کہ طیارہ کے ذریعہ جرنیل الن بائے کا کوئی پیغام اس کو ملے گا۔ دوسری موٹروں کو اس نے آگے بڑھ جانے کا حکم دیا۔

موٹریں آگے بڑھیں تو پھر تاسب کے مقام پر تھیں جہاں چار دن قبل لارنس ایک پل اڑا چکا تھا۔ لائن پر ترک کام کر رہے تھے۔ اور تباہکاریوں

کی مرمت میں لگے ہوئے تھے۔ رخنہ کے عین سرے پر ایک ریل گاڑی دھواں اڑاتی کھڑی تھی۔

یہاں سپاہیوں سے مزدوروں کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی تھی اس لئے کہ موٹروں کے آدھمکنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب مزدور ریل کی طرف دوڑ گئے اور اپنی پوری رفتار سے ریل بھاگ کھڑی ہوئی معلوم ہوا کہ یہ جھڑپ بھی عجیب حیرت انگیز اور ساتھ ہی بڑی دلچسپ تھی۔ ترک چلتی ہوئی اور روانہ ہوتی ہوئی ریل گاڑی سے سر نکالے موٹروں پر نشانہ تان رہے تھے۔

موٹروں کی نقل و حرکت بھی اس "آہنی گھوڑے" کے بے بہت تھی۔ لیکن تعاقب کی بھی آخر ایک حد تھی۔ ایک آخری دھاکہ کے بعد موٹریں پلٹ پڑیں اور کیمپ کی سمت واپس ہوئیں۔ اس اہم دن کی کارگزاری پر یہ لوگ بہت خوش تھے۔ اس لئے کہ ایک طیارہ کی تباہی اور ریل گاڑی کی لڑائی ان کی کامیابیوں کے "خریطہ" میں شامل ہو چکیں تھیں۔

لارنس کی عدم موجودگی میں یہاں پر دوسرے عہدہ داروں نے یہ تصفیہ کیا کہ ترکوں نے Umtaiye کے مقام پر رہنا ممکن کر دیا ہے۔ اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اس نخہ کیمرہ ڈیرہ سے طیارے لیے ہوئے ان کے کامل بیس ڈالنے کے ارادے سے یہاں آن پہنچیں۔ اس لئے وہ ام شراب کی طرف ہٹ آئے اور لارنس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

ان طیاروں سے بچنے کی ممکنہ حفاظتی تدابیر اختیار کی گئی تھیں جو دن کی

روشنی میں ہر وقت عربوں کا کھوج لگانے کے لئے اڑتے پھرتے تھے۔ وہ غلہ رکھنے کے گڑھوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ آدمیوں اور اونٹوں کو ادھر ادھر پھیلا دیا گیا تھا اور قسمت پر بھروسہ کئے ہوئے تھے۔

آخر کار ۲۲ کو لارنس لوٹ آیا۔ ازرق میں وہ قاصد سے ملا جس کے ساتھ اس نے فلسطین کی طرف پرواز کی۔ اور تین لڑاکا طیاروں کو لیئے ہوئے واپس لوٹ آیا۔

لارنس اور تینوں طیارہ باز اتر آئے اور کچھ کھانے پینے کے خیال سے ہو بیٹھے۔ لیکن انھوں نے بمشکل کھانا شروع ہی کیا ہوگا کہ پاسبان کی چیخ سنائی دی۔ لارنس انگریز عہدہ داروں کی جماعت کو جرنیل آلن بائے کے اقدام کی خبریں پڑھ کر سنا رہا تھا جس سے ان میں کافی جوش پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن چیخ نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ترکوں کے دو سراغ رساں جہاز اور ایک دو نشستوں والا جہاز مشرق سے اڑتے چلے آ رہے تھے۔

نووارد اپنا ناشتہ بھول گئے۔ اور طیاروں میں اپنی نشستوں پر آ بیٹھے اور اوپر اس غرض سے پرواز کی کہ زمین پر لوگوں کے منتشر ہونے تک دشمن کی مدافعت کر سکیں۔

طیارہ بازوں کے اڑنے اڑنے تک دشمن کے طیارے لارنس کے مختصر سے دستہ کے سر پر پہنچ گئے تھے۔ برطانوی طیارے زمین سے اٹھ ہی رہے تھے کہ انھوں نے ان پر بم پھینکے لیکن خوش قسمتی سے نشانہ خطا ہو گیا اور قبل اس کے کہ فضائی لڑائی میں وہ اپنے لیے بہتر مقام پیدا کر سکیں دشمن کا دو نشستوں والا لڑاکا طیارہ شعلوں کی لپیٹوں میں زمین پر آ رہا لارنس کے طیارہ باز فوراً اتر پڑے اس لیئے کہ دشمن کے سراغ رساں

طیارے انگریزی طیاروں کی سی سرعت رفتار کے ساتھ بھاگ گئے تھے۔ لارنس کی پرمسرت مبارک بادیوں اور عربوں کے تیز تیز نعرہ تحسین کے درمیان انھوں نے پھر اپنا ناشتہ کھانا شروع کیا۔ لیکن انھیں ابھی شروع نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ترکوں نے جب سنا کہ ان کے دو طیاروں کے مقابلے میں ادھر تین طیارے تھے تو انھیں پھر مقابلہ کی ہمت ہوئی۔ بہرحال وہ پھر جھپٹ آئے اور ساکن جہازوں کے اطراف ان کی گولیاں گرنے لگیں۔ طیارہ باز دوڑ پڑے اور چند ہی لمحوں بعد لڑائی شروع ہو گئی۔ اس دفعہ ترکوں کا پھر ایک طیارہ زمین پر آرہا۔ جس کے بعد بغیر کسی تامل کے سب کے سب واپس دوڑ گئے۔ اور دشمن کے ہوائی حملوں کا اسی پر خاتمہ ہو گیا۔

وہ اب مزید نعرے بھی نہ لگا سکتے تھے اس لیے کہ ان کے گلے بیٹھ گئے تھے۔ صبح صبح کے ان تیزی سے واقع ہونے والے اہم واقعات پر پرجوش بحث کرتے ہوئے طیارہ بازوں نے پھر کھانا شروع کیا۔ اور سچ بھی یہ ہے کہ گزشتہ چند ہفتوں کے روزانہ کے بندھے ٹکے ہوائی پیمائش کے کام میں یہ تبدیلی تھی بھی ایسی ہی جوش دلانے والی۔

ایک طیارہ باز نے دوسرے سے کہا۔ ہم کئی ہفتوں سے اس انتظار میں تھے کہ کچھ کھانے کو مل جائے اور جب ہم یہاں پہونچے تو ناشتہ سے پہلے ہی دو چڑیاں شکار کر لیں۔

لارنس کی ہوائی فوج کو خوش ہونے کی ایک معقول وجہ بھی تھی۔ اس لیے کہ اگرچہ اپنی ہوائی تاختوں سے ترک کوئی واقعی اہم نقصان نہیں پہنچا رہے تھے لیکن ان کے مشین گنوں کے مسلسل حملوں میں ۵ سے ۱۰ تک آدمی

ہرروز ہلاک ہو رہے تھے ۔ اور ان غیر تربیت یافتہ دلیسی باشندوں کے لیئے یہ مصیبت ایسی نہ تھی جو خوشی خوشی برداشت کرلی جا سکے۔ ان کی مدافعت بھی اس وجہ سے نہیں کی جا سکتی تھی کہ ان پر جھپٹنے اور حملہ آور ہونے کے لیے اب تک لارنس کے پاس "شیطانی چڑیوں" کی کمی تھی ۔

عرب گھر جانے کی حد تک پہنچ چکے تھے ۔ لیکن ان طیاروں کے آسانی کے ساتھ زمین پر اترنے ایک ہی لمحہ میں پرواز کرنے اور دشمن کو تباہ کر دینے میں کوئی بات ایسی ضرور تھی جس سے انھوں نے سمجھا کہ خدا ان کی خوش نصیبی پر مسکرا رہا ہے ۔ اور ہر بات مرضی کے مطابق پوری ہو کر رہے گی ۔

لارنس نے اپنے انگریز ساتھیوں کو جرنیل الن بائے کا ایک اعلان پڑھ کر سنایا جس میں عموماً لارنس اور فیصل کے اب تک کیے ہوئے کام پر شکر گزاری کا اظہار کیا گیا تھا اس کے ساتھ خود جرنیل موصوف کے دریائے فرات کی دوسری جانب بڑھنے کی ولولہ انگیز خبر بھی درج تھی ۔

تعطل کا زمانہ ختم ہو چکا تھا ۔ اور انگریزی چھاؤنی نے ایسا محسوس کیا کہ اب کچھ جنگ کی خبریں بھی سنائی دینگی ۔ جس کے باعث ان میں جوش اور ہیجان پیدا ہو سکے گا اور اس پژمردہ کن احساس سے نجات مل سکے گی کہ لڑائی دنیا میں ہمیشہ یوں ہی ٹھنی رہنے والی ہے ۔

لارنس خود اپنے ہم وطنوں کو ان خبروں سے مطمئن کر چکا تو عربوں کو اپنے اطراف جمع کر کے اس پیغام کا مطلب انھیں سمجھایا ۔

اور ابتدا ہی میں جب وہ "تمھاری جانباز فوجوں کے زبردست کارنامہ"

کے فقرہ پر پہنچا تو مجمع میں مسرت کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ شور ختم ہوا تو انھوں نے یہ خبر سنی کہ ترک پسپا ہو رہے ہیں جس پر اور نعرے بلند ہوئے اور فضا میں بندوقیں سر کی گئیں۔ بعض تو حلقے سے نکل بھاگے اور وادی کے قریب پہنچ کر چیخ چیخ کر یہ خوش خبریاں دنیا کو سنانے لگے۔ یہ بات کہ کسی نے اس کو سنا بھی یا نہیں بالکل غیر متعلق تھی وہ بہت خوش تھے۔

گاؤں اور بستیوں کے نام جب پڑھے جاتے لگے تو عرب ایک زبان ہو کر پیہم خدا کا، فیصل کا، اور لارنس کا شکر ادا کرنے لگے۔ ترکوں کے پنجۂ غضب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ صدیوں کی دہشت اور خوف سے وہ اب آزاد ہو رہے تھے۔ فالحمدللہ

اپنے عرب دوستوں میں اعتماد پیدا کر کے لارنس انگریز عہدہ داروں کے پاس لوٹ آیا۔ واقعات کی جو تصویر کشی اس نے یہاں کی وہ کسی قدر مختلف تھی۔ اس نے کہا کہ جرنیل الن بائے نے ترکوں کو اس طرح آگھیرا ہے کہ ان کی پسپائی کا جو راستہ ہوگا وہ یقیناً دریائے فرات کو قطع کرتا ہوا گزرے گا۔

انگریز عہدہ دار ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے۔ ان کے اس انداز کو دیکھ کر لارنس نے سر ہلایا اور کہا۔ جی ہاں۔ ہم ان کی راہ میں حائل ہو سکتے ہیں اور پھر کہا۔ چوتھی ترکی فوج بھی وہیں ہے۔ اور ساتویں اور آٹھویں فوجوں کے بعض حصے بھی وہیں ہیں۔

اس پر کسی نے یہ رائے ظاہر کی کہ ان فوجوں کا کوئی ایک حصہ بھی اس کی مختصر سی فوج کو پیس کر رکھ دینے کے لیے کافی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی پوچھا کہ "آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں"؟

دوسروں کے اظہار اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے لارنس نے کہا

"بڑھ کر ڈیرہ اور دمشق پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں۔

اور پھر کہا۔ اس انتشار میں ہمیں دمشق کی صفیں بھی توڑ دینی چاہئیں
پھر اس نے تفصیل سے سمجھایا کہ جرنیل الن بائے کا دلی منشا کیا ہے۔ اور اسی
کے ساتھ اپنے منصوبوں کی بھی توضیح کی۔ پھر کہا کہ وہ واپس ازرق روانہ
ہوگا اور وہاں سے Handly page طیارہ کے ذریعہ
دو ٹن کی حد تک پٹرول اور غذا بھجوانے کا انتظام کرے گا۔

دوسرے عہدہ داروں نے نگاہ اٹھائی۔ دو ٹن!!
انھیں اس پر یقین نہ آتا تھا۔ انھوں نے اس ہنڈلی پیج Handly page
طیارہ کا کچھ موہوم سا حال تو سنا تھا لیکن انھیں اس کی جسامت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔

دوپہر کے وقت جبکہ تازہ ترین خبروں پر گرم گرم بحث ہو رہی تھی کہ
تین طیارے اڑتے ہوئے دیکھے گئے۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ ان میں ایک طیارہ
معلوم ہوتا تھا لیکن بقیہ دو نقطے دکھائی دیتے تھے اور جب وہ قریب آئے تو
آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کرکے نظر جماکر انھیں دیکھا گیا۔

Handly page کا زبردست طیارہ جب صاف دکھائی دینے
لگا تو انگریزوں کی یہ مختصر سی جماعت بھی اس کو دیکھ کر حیرت میں آگئی۔ لیکن
عربوں کے لیے تو یہ ایک معجزہ تھا جن میں سے ایک تو پکار اٹھا۔ خدا کی قسم!
یہ تو تمام شیطانی چڑیوں کا باپ ہے۔

۱۳

۲۳ ستمبر کی صبح کو لارنس پھر آگے بڑھا۔ اس کی فوج کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور نقل و حرکت کے لیے رسیاں تڑا رہی تھی۔ گزشتہ دن کی خبریں ان کے دماغوں میں سمائی ہوئی تھیں Handly page طیارہ وعدہ کر گیا تھا کہ مفرخ کے مقام پر ترکوں کو نوازنے کے لیے خود میں بم بھر کر، دن ڈھلے پھر آن موجود ہوگا۔ تینوں ہوا باز اوپر اڑ رہے تھے اور مقابلہ کے لیے کسی کی آمد کے منتظر تھے۔ ان کی پیش قدمی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے فیصل ایک دن قبل یہاں آ پہنچا تھا۔ اور ان لوگوں کی اولوالعزمانہ کارگزاری کا شکریہ بذات خود ادا کر چکا تھا۔

ناسب اور مفرخ کے درمیان ایک ہوشیار نگہبان جاسوس نے لارنس سے ملاقات کی اور سرگوشی میں اس سے کہا کہ ترک ڈھے ہوئے پل کی مرمت میں مصروف ہیں۔ اپنے آدمیوں کو ٹھہرے رہنے کا حکم دے کر

لارنس اس طرف روانہ ہو گیا۔ ایک بلندی ایسی آئی جہاں سے پل آسانی سے نظر آسکتا تھا۔ لارنس نے ہاتھ کے اشارے سے دوسرے عہدہ داروں کو بھی بلالیا کہ وہ بھی آئیں اور تماشہ دیکھیں۔

انجان دشمن سے خوب اچھی طرح چھپے چھپائے وہ دو گھنٹوں تک بیٹھے رہے۔ ترک بڑی تیزی اور پھرتی سے کام کر رہے تھے۔ لارنس کے دیکھتے دیکھتے لکڑی کا عارضی پل کھڑا ہو گیا۔ لارنس نے ان کی چابک دستی پر گفتگو کی اور اس آسانی سے پل کے تعمیر کر لینے کے طریقہ پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

اس نے کہا۔ کام تو خوب کیا۔!

پھر اس نے اپنے چند آدمی بلائے۔ محافظوں پر گولیاں چلائیں۔ اور مشین گن چلانے والی جرمن جماعت کی بے جگرانہ مقاومت کے باوجود کام کرنے والوں کو مار بھگایا۔ کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے پل کے درمیانی شہتیروں کو آگ لگا دی۔ اور چند ہی لمحوں میں ترکوں کا نیا پل اس سرے سے اس سرے تک بھڑک اٹھا۔

اس تباہ کاری کی تکمیل کے طور پر اس نے لائن کا بھی ایک حصہ تباہ کر دیا۔ اور پھر Umtaiye لوٹ آیا

رات کے وقت سروں کے اوپر عربوں کو موٹروں کی بھنبھناہٹ کی سی دھیمی آواز سنائی دینے لگی۔ اور رات کی مدھم روشنی میں بھاری بھرکم ہنڈلی پیج طیارہ انھیں نظر آیا۔ اور کچھ ہی دیر بعد نظر سے اوجھل شمالی سمت میں ہوا کے ارتعاش کے ساتھ بھد بھد کی آواز کا سلسلہ بندھ گیا——— مفرق پر بمباری ہو رہی تھی۔

اور جب انھوں نے شمال کی سمت میں دیکھنا شروع کیا تو پہاڑوں کے عقب میں سرخ روشنی کی تمتماہٹ نظر آئی ـــــــــ

مفرخ جل رہا تھا۔

چھاؤنی والوں کی نیند اُچٹ گئی۔ عرب خوشی سے کیمپ کے اطراف ناچ رہے تھے۔ اور لارنس اور اس کے ساتھیوں نے اقدام کا ارادہ کیا ......

ڈیرہ اور دمشق یہ دو مقام تھے جن کو لارنس فتح کرنا چاہتا تھا۔ سنہ ۱۹۱۶ء ہی میں وہ دمشق کو اپنی منزل مقصود قرار دے چکا تھا۔ اور جرنیل آلن بائے سے بھی صاف کہہ چکا تھا کہ وہ دمشق کو فتح کر کے رہیگا۔ جماعت کے پیشہ ور عہدہ داروں کا خیال تھا کہ احتیاط سے کام لینا چاہیئے لیکن لارنس کے پاس اس کا گزر نہ تھا۔

ایک دفعہ پھر عہدہ داروں نے جتایا کہ وہ ترکوں کی پسپائی کے راستہ پر ہیں۔ لارنس نے جواب دیا کہ جب ترک پسپا ہو کر ادھر سے گزریں تو وہ ان پر چھاپا مار کر بھاگ کھڑے ہو سکتے ہیں لیکن یہ بات اوروں کی نظر میں مشتبہ ہی رہی۔ اور وہ یہی کہے گئے کہ بھاگ کھڑے ہونے کی صورت میں اور زیادہ مشکلات پیش آئیں گی۔

لیکن لارنس خوب سوچ سمجھ کر اپنا منصوبہ باندھ چکا تھا۔ اور اس سے رد گردانی اسے گوارا نہ تھی۔ ہتھیار بند موٹریں اس نے واپس بھجوا دیں اس لئے کہ آگے کی سرزمین ان کے لیئے موزوں نہ تھی۔ اور بجائے مدد کے ان کے سد راہ ہونے کا امکان تھا۔ پھر اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ فلسطین میں طیارے بہت مفید ثابت ہوں گے اس لیے کہ وہاں

ہر طرح کی مدد درکار تھی۔ طیارے آگے نکل گئے۔

پھر لارنس نے اپنی فوج کو حرکت دی۔ لارنس کے پاس شریف کے ۶۰۰ آدمی تھے جن کے متعلق فرض کر لیا گیا تھا کہ وہ تربیت یافتہ ہیں۔ اس فوج کے پاس ۴ بندوقیں اور ۱۲ مشین گنیں تھیں ورکرز اور ہاچ کسنر قسم کی بندوقوں والے بے قاعدہ عرب محض تعداد بڑھانے کے کام کے تھے۔ اس کے ماسوا تین سو اونٹ سوار اور گھوڑے سوار بھی تھے جن کے ساتھ غذا اور پانی کا راتب نصف مقدار میں موجود تھا۔ اس کے بعد کے سفر کے لیے وہ قسمت پر تکیہ کئے ہوئے تھے کہ کہیں سے رسد فراہم ہو جائے گی۔ ورنہ پھر انھیں بغیر رسد کے لڑنا پڑے گا۔

طلایہ فوج مشکل سے Umtaiye کے باہر نکلی ہو گی کہ ایک طیارہ جھپٹا ہوا واپس لوٹ آیا اور دو تین دفعہ چکر کاٹنے کے بعد ایک پیغام پھینک سکا۔ پیغام کو فوراً اٹھا لیا گیا اور تیزی سے لارنس تک پہنچا دیا گیا۔

لکھا تھا۔

ریلوے کی طرف سے سواروں کی زبردست فوج بڑھی چلی آ رہی ہے۔"

لارنس نے اس کو دوبارہ پڑھا۔ اور صرف ایک ہی لمحہ کے لیے کچھ کشمکش و پیچ میں پڑ گیا۔ فوج کو اشارہ کیا کہ بڑھی چلے —— زبردست؟ اس کا کیا مطلب۔ سیکڑوں؟ ہزاروں؟

اس نے اپنے جاسوس بہت آگے دوڑائے کہ جونہی دشمن نظر آنے لگے آکر اطلاع دیں ناسب اور مفرخ کے درمیان ابتدائی وقت کے

بچھڑے ہوئے ساتھی جنوب کی طرف سے آ آ کر ملنے لگے۔ اور فوراً ہی لارنس نے اپنے آدمی پہاڑ کے دونوں جانب پھیلا دیئے۔ ان لوگوں نے بھاگتے ہوئے ترکوں پر کمین گاہوں سے گولیاں چلانی شروع کیں۔ بعض ترک چٹانوں کے پیچھے گھس آئے اور اس نئے حملہ کا جواب دینے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے ترکوں نے، جن کی خواہش صرف یہی تھی کہ کسی طرح فرار ہو جائیں اس جنگ پسپائی میں اپنی رفتار تیز کر دی۔ اور شمال کی سمت میں بڑھنے لگے۔ کبھی کبھی عرب سواروں کا کوئی گروہ وادی کی کسی موڑ سے لپک کر باہر نکل آتا تیز و تند چیخوں کے ساتھ مغرور دشمن پر جھپٹ پڑتا۔ گراتا اور مار ڈالتا۔ اور پھر پہاڑوں میں واپس لوٹ آتا۔

تنگ گھاٹی مردوں سے پٹ گئی تا آنکہ شورہ پشت ترکوں کے لیے مقاومت مشکل ہو گئی اپنی جان بچانے کی کوشش میں وہ گولہ بارود اور مال و اسباب سب چھوڑ چلے۔ پسپائی کی ہل چل سرپٹ دوڑ میں تبدیل ہو گئی

ترک، پہاڑوں سے سرہونے والی گولیاں کھاتے، عرب کے قبائلی باشندوں کے خوفناک دھاوے ہر چہار طرف سے سہتے، تعاقب کرتی ہوئی انگریزی فوج کے خوف سے بدحواس ہو کر، جھپٹ کر آگے نکل جانا چاہتے تھے۔ وہ سڑک جس پر سے ترک واپس ہو رہے تھے ایک وادی میں سے گزرتی تھی۔ یہ کسی دریا کی نہ تھی جو صدیوں سے سوکھی پڑی تھی۔ جس پر صرف اونٹوں کے کارواں گزرا کرتے تھے۔ دونوں بازوؤں پر عمودی چٹانیں سینہ تانے کھڑی تھیں ان کے کونے اتنے تیز تھے کہ جب پاؤں رکھنے کی کوشش کی جاتی تو ہاتھوں اور پاؤں کا زخمی

ہو جانا لازمی تھا۔

وادی کے ایک تنگ اور پیچ و خم کھاتے ہوئے راستہ پر ترک ہنکائے گئے۔ یہاں وہ پھیل نہ سکتے تھے۔ گھوڑے، آدمی، اونٹ، اسباب بندوقیں۔ وہ بے آس اور سہما ہوا انبوہ انھیں سے مرکب تھا۔

جب بے ترتیبی سے انھوں نے شمال کی طرف بھاگنا چاہا تو ہر طرف سے موت ان پر جھپٹ پڑی۔ پوشیدہ نشانہ بازوں کی گولیاں انھیں بے پروائی سے کچلتے ہوئے قدموں میں لا ڈالتیں۔ بھیڑ سے ادھر اُدھر جو منتشر ہو جاتے حملہ آور سواروں کے خنجر اور تلواریں ان کا خاتمہ کر دیتیں۔ اور ان میں سے بعض جانوروں کی بے ترتیب جھپٹ میں کچل جاتے۔

اور پھر، سب سے خوفناک چیز یہ تھی کہ آسمان سے ان پر موت برس رہی تھی۔ طیارہ بازوں کا کام صرف یہ تھا کہ اس بھاگتی ہوئی فوج کے پُرپیچ راستہ پر پرواز کرتے ہوئے ان پر بم برساتے جائیں۔

آخر میں ہوا باز بھی تھک گئے۔ کیونکہ بجز قتل و خوں کے یہاں کچھ بھی نہ تھا اپنے کئے اور اپنے دیکھے سے بیزار ہو کر انھوں نے وادی کی اس قتل گاہ کو چھوڑ دیا۔

وہ جانتے تھے کہ اس کا نام جنگ آزمائی نہیں ہے بلکہ یہ صرف قتل و غارتگری ہے۔ پسپا فوج کے مرکزی حصہ پر لارنس حملہ سے احتراز کرتا رہا۔ کیونکہ علانیہ طور پر وہ برسرپیکار نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس نے رات گئے تک اپنی چھاپہ بازی برابر جاری رکھی حتیٰ کہ تھکاوٹ سے اس کے آدمیوں کے ہاتھ اور پاؤں شل ہو گئے۔ وہ ٹھہر گیا اور خیمہ زن ہو گیا۔

رات بے چینی سے گزری۔ پہاڑوں سے عجیب عجیب گریہ و بکا کی

آوازیں اور کبھی کبھی دھماکوں کی آوازیں چلی آتی تھیں۔

صبح میں پھر وہ اپنے راستہ پر چل پڑا۔ غزالی اور غدرا کی درمیانی چوٹیاں محض بھونچکا کرا طاعت قبول کرتی جاتی تھیں۔ یہ بات کہ دشمن کی فوج، ان کی صفوں کو توڑ کر Derra کے اتنے قریب حملہ آور ہو جائے گی ترکوں کے لیے ناقابل یقین تھی۔

جب اسٹیشنوں پر قبضہ ہوتا چلا تو لارنس لائن پر قبضہ کرتا چلا۔ اس سے دیرہ کے جنوب میں ریل کے ذریعہ ترکوں کے حملہ کی نقل و حرکت رک گئی۔

اس نے بعض ترکوں سے بھی گفتگو کی۔ اور ان سے یہ بات معلوم کرلی کہ جو اطلاعیں ان تک پہنچیں وہ اس امر کا یقین نہ دلاتی تھیں کہ ترکوں کو جن فوجوں سے مقابلہ کرنا ہے ان کی قوت کتنی ہے۔ ایک اطلاع یہ تھی کہ صرف ایک ہزار عرب ہیں لیکن دوسری اطلاعوں میں یہی تعداد بڑھ کر کئی ہزار تک پہنچ گئی۔ ان تمام اطلاعوں میں دہشت کا شائبہ پایا جاتا تھا۔

جب وہ پر اضطراب پہاڑیوں کی طرف آہستہ آہستہ بڑھا تو اسے دانشمندی اسی میں نظر آئی کہ لائن سے کسی قدر ہٹ کر چلا جائے۔ وہ مایوس تو نہ تھا لیکن انتہا سے زیادہ مضطرب تھا۔ اس کے ساتھیوں نے اب سمجھا کہ وہ دشمن کے عین وسط میں ہیں۔ ستمبر کی ۲۷ تھی لیکن لارنس برطانوی محاذ کی صورت حال سے بالکل بے خبر تھا۔

پہاڑ کی لڑائی کے نقصانات سے کمزور ہو کر لارنس کی مختصر سی فوج مایوسی کے عالم میں، اپنے پڑاؤ کے مقام پر گویا گر پڑی۔ لیکن دو تین ہی گھنٹوں کی نیند کے بعد وہ پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور دن نکلنے سے پہلے اپنا سفر شروع کردیا۔ لارنس کو اس کا خیال تھا کہ مرکزی سڑک سے کچھ ہٹ کر چلنا چاہئے۔

لیکن ساتھ ہی فاصلہ اتنا رہے کہ اگر دشمن کی فوج کے بھولے بھٹکے رہبر دل جائیں تو ان پر حملہ کیا جا سکے۔ ہر شخص کیلیے بڑا نازک وقت تھا۔ وادی کی ایک دو موڑ مڑنے کے بعد وہ بالکل دشمن کے مقابل میں آجاتے تھے۔ اس بات کا بھی کوئی یقین نہ تھا کہ پہاڑی لوگ دوست ہی نکلیں گے۔ اس لیے کہ انھوں نے عربوں پر گولیاں چلائیں تھیں حالانکہ وہ جانتے ہی نہ تھے کہ یہ کون لوگ ہیں اور اس ملک میں کیا کر رہے ہیں۔

غذا نیز تی جارہی تھی۔ اور آدمیوں اور جانوروں دونوں کے لیے پانی بہت کم رہ گیا تھا۔ صبح کے وقت لارنس اپنی سپاہ کو مقام شیخ سعد کی طرف لے گیا جہاں اسے یہ معلوم کر کے دھچکا سا لگا کہ یہاں فوری کارروائی کی ضرورت ہے۔ آگے دو اسٹریلی ترکی مشین گن بازوں کی جماعتیں ترتیب سے کھڑی ہوئی تھیں۔ یہ مجمع بہت مہیب معلوم ہوتا تھا۔ لیکن وہ پلٹ کر اپنے ہتھیاروں سے کام لینا شروع بھی نہ کرنے پائے تھے کہ لارنس ان کے سر پر جا پہنچا۔ خشم ناک عربوں کی بدشگون جماعت سے وہ مغلوب ہو گئے۔ لارنس کی یورش اگر اتنی سرعت سے نہ ہوتی تو کامیابی محض مشتبہ تھی۔ اگر وہ اپنی بندوقوں سے کام لے سکتے تو لارنس کی پوری سپاہ کو چند ہی لمحوں میں بھون کر رکھ دیتے۔ لیکن وہ بال بال بچ گئی

۱۴

اس وقت جنگی صورت حال کے متعلق لارنس کے خیالات جو کچھ بھی ہوں اس کے لوگوں سے اب بیزاری کی علامتیں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ ۱۵ دن سے وہ گویا مسلسل نقل و حرکت کر رہے تھے۔ رات میں صرف چند گھنٹوں کا آرام ملتا ورنہ سارا وقت لڑنے بھڑنے پیچھے ہٹنے اور لائن کے شمال و جنوب میں چھاپے مارنے میں گزرتا۔ غذا کی مقدار بھی دن بدن کم ہو چلی تھی۔ اور دن بدن یہ بے اطمینانی بڑھتی جاتی تھی کہ رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے وہ کسی جال میں تو نہیں پھنس جائیں گے۔ فوجی نقل و حرکت کی قیادت میں بلاشبہ یہ لارنس کی خود اعتمادی کا نتیجہ تھا کہ اس کی فوج متحد تھی ورنہ وہ اپنی عادت کے مطابق، کبھی کے، اپنا پشتارہ باندھ کر گھر کو چلے گئے ہوتے لوگوں کو خیمہ زن ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک نیچا اڑتا ہوا طیارہ ایک پیغام گرا گیا جس کے باعث ہر طرح کے مخلوط جذبات بیدار ہو گئے۔

ابتدا، میں لکھا تھا کہ جرنیل برو کے ڈویژن کا کچھ حصہ Remthe کے قریب پہنچ چکا ہے۔ یہ خوش آیند بات تھی۔ پیغام کے دوسرے جملہ میں لکھا تھا کہ ترکوں کی پسپا فوج کے دو پرے مقام شیخ سعد کی طرف پلٹ جانا چاہتے ہیں جن میں سے ایک کی تعداد ۴ ہزار اور دوسرے کی تقریباً ۲ ہزار ہے یہ خبر کسی خطرہ کا پتہ دیتی تھی۔ لارنس نے عجلت سے "جنگی گفتگو" کی مجلس منعقد کی اور فوراً ہی یہ طے ہو گیا کہ ترکوں کی اس زبردست سپاہ کے مقابلہ میں وہ بالکل بے بس ہیں۔ کسی نے کہا کہ اس مقابلہ کا نتیجہ سوائے "رزمی خودکشی" کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

لارنس نے ایک دفعہ پھر اپنے آدمیوں کو آگے بڑھایا۔ لیکن اس دفعہ تفاس کی طرف سے، تاکہ وہاں کے دو ہزار ترکوں سے نپٹا جا سکے۔ اور ساتھ ہی ایک مختصر ٹولی ان پہاڑیوں کے دہقانوں کو مشتعل کرنے کے لئے بھیج دی جن میں سے ترکوں کا زبردست لشکر گزرنے والا تھا۔ خیال یہ تھا کہ جب وہ پہاڑیوں میں تتر بتر ہو جائیں تو انھیں ستایا جائے اور بدحواس کیا جائے۔

اس کا حکم تھا کہ حملہ کبھی نہ کرو۔ بلکہ صرف بھٹکے ہوؤں کو ایک ایک کرکے نشانہ بنائے چلو۔ جب یہ ٹولی اپنے راستہ پر چل پڑی تو لارنس کا کوچ بھی شروع ہو گیا۔ اب وہ ہر قسم کی مزاحمت کے لئے تیار تھا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ نسبتاً ایک چھوٹے سے دستہ کی آمد کے آثار اس کو معلوم ہوئے یہ ایک پیدل فوج کا دستہ تھا جو بغیر کسی نظم و ترتیب کے آگے بڑھا چلا آتا تھا۔ لیکن ایک ہی گھنٹہ کے اندر اس کو بھاری نقصان کے ساتھ منتشر کر دیا گیا۔ امکانی تیزی سے آگے بڑھتا ہوا وہ اس چوٹی پر جا پہنچا جہاں سے تفاس

کی بستی نظر آتی تھی۔ بعض مکان دھنویں سے اٹے ہوئے تھے اور اس سے دو میل آگے دشمن کی وہ فوج جو اس گاؤں پر قابض تھی، فاصلے کے دھندلکے میں غائب ہوتی نظر آتی تھی۔

اس گاؤں میں سے ہو کر گزرنا بڑا زہرہ گداز کام تھا۔ رینگنے والے شیر خوار بچوں سے لیکر ۲۰ سال کی عمر تک کے بچوں کی کم ازکم ۲۰ لاشیں گرد و غبار میں پڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے بہت سوں کو برچھوں سے مارا گیا تھا۔ لارنس نے ان کو دیکھا اور پھر ان پسپا ہونے والے ترکوں پر نگاہ ڈالی جو اس سے کچھ فاصلے پر تھے۔ اس کے دل اور اس کے دماغ میں غیض وغضب بڑھتا جاتا تھا۔ دشمن سے نفرت کی، دیر سے سلگتی ہوئی آگ اب شعلے بن کر بھڑک اٹھنا چاہتی تھی اپنے گھروں کے قریب عورتیں مری پڑی تھیں اور جن کے ساتھ ہولناک سلوک کیا گیا تھا۔ لارنس نے جب یہ دیکھا تو اس کے ہونٹ بند ہوگئے تاکہ وہ بد دعائیں رکی رہیں جو اس کی زبان سے نکلنا چاہتی تھیں۔

عرب، ان دو تین انگریزوں کے اردگرد جمع ہوگئے جو ان قابل رحم لاشوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے یہ بچے اور یہ عورتیں ان ہی کے رشتہ دار تھے۔ تفاس انھیں کے ملک کا ایک حصہ تھا۔

عربوں نے بھیانک، پر اسرار اور اونچی آوازوں میں خدا کو پکارنا شروع کیا۔ اور بغیر کسی ارادے کے ان کے اطراف حلقہ باندھے کھڑے ہوگئے۔ بعض اپنے گھوڑوں پر سوار ہونے کے لئے پلٹ پڑے تاکہ دشمن کے پیچھے جھپٹ سکیں۔ لارنس نے غضب آلود تندی سے انھیں ٹھہرالیا۔

اس کے بعد ہی پیچھے سے ایک جگر شگاف ہیبت ناک چیخ سنائی دی
لارنس اور اس کے ساتھیوں نے پلٹ کر دیکھا۔ اس گاؤں کا شیخ، طلال جو
بہترین لڑنے والوں میں سے تھا گھوڑا اڑاتا ابھی ابھی یہاں آ پہنچا تھا۔
اپنے گاؤں کی تباہی کی خبریں اس نے سن لی تھیں۔ جوں ہی اس نے اپنے
گھوڑے کی باگ روکی کپڑوں کا ایک چھوٹا سا بنڈل لڑکھڑاتا ہوا اس کے
قدموں پر آ گرا۔ اور مجھے نہ مارو، کی صدا لگا کر آخری دفعہ گر پڑا اور مر گیا۔
طلال کا چہرہ غضب آلود تھا۔ اس کی آنکھیں آگے کی طرف اس راہ
کو تاک رہی تھیں جن پر سے ترک گزر رہے تھے۔ اس نے پھر چیخنا شروع
کیا۔

کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس سے بات کر سکے۔ اس شخص کو کیا کہا
جا سکتا تھا جس کے چھوٹے سے خوشنما گاؤں کی روزمرہ کی پرسکون زندگی کا منظر
قتل عام کا نظارہ بن گیا ہو۔

قبل اس کے کہ اس کو روکا جا سکے۔ اس نے اپنے گھوڑے کی باگ
موڑ دی، ایڑیں گھوڑے کے جسم میں پیوست کر دیں۔ اور اپنی انتہائی بلند
آواز میں جنگ کا نعرہ لگاتا ہوا پوری سرعت رفتار سے دشمن کے پیچھے
چھوٹا۔

لارنس بجز آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے رہنے کے اور کیا کر سکتا تھا۔ اس
المناک لیکن باوقار منظر نے اس پر اور اس کے آس پاس والوں پر گویا جادو
سا کر دیا تھا۔ انھوں نے ترکوں کو پلٹتے ہوئے دیکھا اور چند ہی لمحوں میں طلال
ان پر جا گرا۔

ٹاپوں کی آواز دعوت جنگ دشمن تک پہنچا چکی تھی۔ وہ رکاب میں

پاؤں رکھکر اٹھ کھڑا ہوگیا۔ ایک دردناک چیخ اس کے حلق سے نکلی ہی تھی کہ رائفلوں اور مشین گنوں کی ایک ہی باڑ نے صحیح معنی میں اسے زمین سے اڑا دیا۔ دشمن کی صفوں کے درمیان وہ اور اس کا چھوٹا سا جانباز گھوڑا دونوں مرے پڑے تھے۔

ایک عجیب سکوت طاری تھا جو کسی تصویر کے سکوت سے مشابہ معلوم ہوتا تھا۔ ترک اس شخص کو دیکھ رہے تھے جو تن تنہا ان پر حملہ آور ہوا تھا۔ اور ادھر لارنس اور اس کے سپاہی طلال کی آخری مجنونانہ تاخت کے باعث ابتک بہوت تھے۔

بہت تھوڑی دیر کے لئے لارنس نے ایسا محسوس کیا کہ وہ کسی تیز و تند اور شدید جذبہ سے پسا جا رہا ہے۔ پھر اس نے اپنے کندھے سیدھے کئے اور ایک دفعہ بھاگتے دشمن، مقتول عورتوں، بچوں اور غضبناک اور برافروختہ قبیلہ والوں پر نگاہ ڈالی۔

اس نے اپنی مختصر سی سپاہ کے تین حصے کئے۔ اور حکم دیا کہ "پہاڑوں میں جاؤ ہر اس شخص کو ساتھ لے لو جو اس مقصد کے لئے لڑنے پر آمادہ ہو۔ ہر طرف سے ترکوں پر ٹوٹ پڑو۔ میرا حکم یہ ہے کہ بس مارتے چلو۔ مجھے کسی قیدی کی ضرورت نہیں ہے؟"

خود لارنس میں جنگ کا جوش پوری شدت پر تھا۔ لیکن غیض و غضب سے مغلوب عربوں کے مقابلہ میں، جنھیں کسی ایک ترک کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے میں اپنی جان کی مطلق پروا نہیں رہی تھی۔ اس کا غصہ پھر بھی ٹھنڈا ہی تھا۔ اس حملہ کا حکم دینے کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ گزشتہ کی فروگزاشتیں مٹ جائیں بلکہ ڈیرہ کے مقام پر اسے ایک ندامت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

جس کو وہ زائل کرنا چاہتا تھا۔ یہاں وہاں ہر جگہ وہ موجود رہا۔ منصوبے باندھے اور ترکوں کو ان کونوں میں ڈھکیلتا رہا۔ جہاں سوائے موت کے فرار کی اور کوئی صورت نہ تھی۔

ترکوں کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ لڑائی کے لئے فوج کو ترتیب دے سکیں۔ تینوں طرف سے غم کے مارے انتقام طلب عرب ان پر ٹوٹ پڑے۔ پہاڑوں اور چھوٹے چھوٹے کونوں میں انھیں ہنکالے گئے اور مارتے گئے۔

عرب ترکوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کو گھیر لیتے۔ ترک بے جگری سے اس وقت تک لڑتے جب تک کہ آخری آدمی اور آخری بندوق سرد نہ ہو جاتی۔ لیکن پھر بھی مایوسی ہی ان کے ہاتھ آتی۔ وہ ترک بھی جو مغلوب ہو کر ہاتھ اٹھا لیتے عفو و رحم سے بے نصیب رہتے۔

قتل و خون کی اس گرم بازاری میں پہاڑی لوگوں نے بھی اپنا بدلہ خوب لیا۔ چھرے اور ڈنڈے لئے وہ لڑائی کے حدود کے اطراف منڈلاتے رہتے۔ اور جہاں کوئی ترک بچ کر نکلتا نظر آتا بھڑوں کے چھتے کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے۔ اور ڈنڈوں اور چھروں کی ضربوں سے اس کا خاتمہ کر دیتے۔

وہ اس وقت تک قتل کرتے گئے جب تک کہ رائفلیں گرم ہو کر فیر کرنے کے قابل نہ رہیں اور ان کے بازو بھی انھیں اٹھاتے اٹھاتے شل ہو گئے پھر بھی گولہ باری کے بند ہونے کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس تلخ مقابلہ میں جو عرب باقی بچ رہے تھے۔ ہیبت ناک صفوں میں یکجا جمع ہو گئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ لارنس، اس کے دو تین انگریز ساتھی اور دوسرے سب لوگوں نے ملکر تفاس اور طلال کا بدلہ لے لیا تھا۔

لیکن خوفناک ساعت ابھی باقی تھی۔

امدادی فوج کے دستوں نے آگے کی طرف دشمن کے رسد لانے والے آدمیوں کو گھیر لیا تھا۔ جن میں آسٹریلی، ترک اور چند جرمن شامل تھے۔ یہ لوگ مقام واردات پر ابھی ابھی وارد ہوئے تھے اس لئے اس مہیب میدان کارزار کو دیکھکر اگر کچھ پریشان نہ بھی ہوئے ہوں تو حیرت زدہ ضرور معلوم ہوتے تھے۔

قیدی ایک جگہ سمٹ گئے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو دم توڑتے دیکھا تھا۔ وہ ان کی قبول اطاعت کی آوازیں سن چکے تھے۔ جن کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا تھا۔ وہ سوچنے لگے کہ نہ معلوم کس قسم کی موت سے خود انھیں دوچار ہونا پڑے گا۔

لارنس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اس کے جسم اور قلب پر افسردگی سی چھا گئی تھی قتل و خون سے وہ بیزار ہو چکا تھا۔ بعض عربوں کی مہیب دھمکیاں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن یہ لوٹتے ہوئے طوفان کی سنسناہٹ کے مشابہ تھیں۔ ایک نعرے نے پھر انھیں پلٹ کر دیکھنے پر مائل کر دیا۔ لارنس آگے کی طرف بھاگا جہاں کوئی عرب غصہ سے بڑبڑاتا اس غریب کی لاش کی طرف اشارہ کر رہا تھا جو کسی کونہ میں دو چھوٹی تلواروں سمیت زمین سے چمٹی پڑی تھی۔ لارنس کا بھاگنا ہی تھا کہ تمام عرب آکر جمع ہو گئے۔

اپنے مقتول ساتھی پر ایک نگاہ ڈالی جس کو اتنے بیدردانہ طریقہ پر قتل کیا گیا تھا۔ پھر وہ اس طرف لوٹ پڑے جہاں سست آنکھوں والے قیدی سکڑے کھڑے تھے۔ گویا جانور تھے جو ذبح ہو جانے کے منتظر تھے۔

اس مقام پر لارنس کے پہنچتے پہنچتے تک دو تین قیدیوں کے پرخچے اڑ گئے۔

ان بادیے عربوں کے گروہ پر اس نے ایک نگاہ ڈالی جو قیدیوں کو حلقہ میں گھیرے کھڑا تھا۔ ان دوتین قیدیوں کی شکل وصورت پر بھی اس کی نظر پڑی جو ابھی ابھی مر چکے تھے۔ اس کے بعد اس نے وہ حکم دیا جو صرف اس وقت کے لئے موزوں ہو سکتا تھا۔

سپاٹ اور ہموار آواز میں اس نے ہاچ کِس بندوقبازوں سے کہا۔

قیدیوں کی طرف اپنی بندوقیں پھیر لو۔

عربوں کے آگے بڑھنے تک بندوقوں کی دھائیں دھائیں شروع ہوگئی۔ بندوق بازوں نے اس وقت تک گولیاں چلائیں کہ قیدیوں میں کسی قسم کی جنبش وحرکت تک باقی نہ رہ سکی۔

یہ قتل عام ان غریب بدبختوں کو اس سے بھی بدتر انجام سے بچانے کے لئے تھا۔ ظلم وستم، انتقام کی پرورش کرتا ہے اسلئے لارنس نے ایسا محسوس کیا کہ اِس معاملہ میں اس کا ضمیر حق بجانب تھا۔

لارنس کی سرعت عمل پر خود عرب تک حیرت زدہ تھے۔ لیکن انھوں نے اس میں مداخلت کی کوشش نہیں کی۔ ایک نامطبوع اور سنگدالہ منظر ان کے پیش نظر تھا۔ اس کے سامنے لاشوں کا جو انبار تھا اس نے اس کو بے پناہ کراہت سے بھر دیا۔ وہ کراہت جہاں تک وہ اپنے عناد کے باعث پہنچا تھا جو ترکوں سے اس کو تھا۔ اس کو گھن آنے لگی کہ آدمی کو ایسے سفاکانہ کام بھی کرنے پڑتے ہیں اس کا چہرہ غضبناک سیاہ ہوگیا۔ خود اس کے کپڑوں اور عرب اور انگریز ساتھیوں کے کپڑوں سے دہشت ناک قتل وخون کی بو آنے لگی۔ نگاہیں جس طرف پڑتیں موت اور مصیبت کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ غاروں اور کھووں میں زخمی

بے ترتیب گڈمڈ پڑے ہوئے تھے۔ اور سطح قطعات پر ان کی صفیں بچھی ہوئی تھیں۔ زخمی پانی کے لئے بلبلاتے جاتے تھے جس کا فراہم کرنا زندوں کے لئے آسان نہ تھا۔ طبی لوگ بھی موجود نہ تھے جو ان کی مدد کر سکیں۔ جو چلنے پھرنے یا کم از کم لنگڑاتے چلنے پر قادر تھے ان کے ساتھی نا ملائم اور درشت انداز میں ان کی طرف ملتفت ہوتے۔ اور جو بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ انھیں فوراً زندگی سے چھٹکارہ دلا دیا جاتا جس کی تمنا وہ اپنی آنکھوں کے اشاروں سے ظاہر کرتے۔

قتل و خون کا بھوت اتر چکا تھا۔ جو لوگ پا پیادہ تھے انھوں نے ان دہشت ناک تودوں کے اطراف ایک چکر لگایا تاکہ کوئی بلا ضرورت تکلیف اٹھاتا، زندہ نہ رہنے پائے۔ دن کا بقیہ حصہ لارنس اور اس کے ساتھیوں نے اس وادی میں بے چینی اور شک و شبہ کی حالت میں گوارا وہ ہر آواز پر چونک پڑتے اور خبروں کے لئے ٹھہرے رہے۔

آٹھ سو آدمی ایسے بچ رہے تھے جو صحیح و سالم اور کام کے قابل تھے۔ ان میں کا ہر شخص اس کام کی تکمیل پر خود کو مائل کرتا جس کی ابتدا لارنس نے کی تھی۔ ہر شخص تھک کر چور ہو چکا تھا۔ اس لئے ہر نئے کام کے لئے بڑبڑاتا ہوا آمادہ ہوتا۔ لیکن انھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ لارنس کی پیروی کریں گے جہاں کہیں بھی اس کی قیادت انھیں لے جائے۔

تمام پہاڑیاں آتش زدگی کی زد میں تھیں۔ اس لئے لارنس وادی سے باہر بھی نہ نکل سکتا تھا نہ نکلنا چاہتا تھا۔ ممکن تھا کہ دشمن کی مرکزی فوج دوسری وادی ہی میں ہو۔ اس لئے آگے بڑھنا محض خودکشی کے مرادف تھا۔ بے احتیاطی اس تمام دلیرانہ کام کا خاتمہ کر سکتی تھی جو اس وقت تک

انجام کو پہنچایا گیا تھا۔

یہ حالت منتظرہ اور بھی تکلیف دہ ہوگئی تھی اس لئے کہ سب میں یہ احساس پیدا ہو چلا تھا کہ فتح بہت قریب ہے۔ لیکن ایک ہی غلط اقدام انھیں دشمن کے راستہ پر پہنچا دیتا۔ جس کی محض تعداد کی کثرت انھیں صفحہ ہستی سے مٹا دیتی۔

رات کی تاریک گھڑیاں آہستہ آہستہ گزر گئیں۔ خوف کے سبب آرام حرام ہوگیا تھا۔ لیکن علی الصباح، مسلسل ایک عرصہ سے کوئی حملہ نہ ہونے کے باعث بجھی ہوئی طبیعتوں میں از سر نو جان سی آگئی۔ لارنس نے اپنی سپاہ کو اکٹھا کیا اور کہا کہ حکم ملنے تک اسی جگہ جمے رہیں۔ اور پھر خود دوسرے عہدہ داروں کے ساتھ ڈیرہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اگرچہ اس کے مشاہدات بالکل سرسری تھے۔ پھر بھی وہ بھانپ گیا کہ ترکوں کی بقیہ قوت پر آخری زبردست وار کرنے کا وقت یہی ہے۔

چوتھی ترکی فوج جتنی بھی بچ رہی تھی سب ڈیرہ کی اطراف جمع ہوگئی تھی۔ لارنس کے صرف چند سو آدمی اس پر بہت کم اثر انداز ہو سکتے تھے۔ لیکن اطلاعیں یہ بھی مل رہی تھیں کہ انگریزی رسالہ Remthe کے قریب پہنچ گیا ہے۔ یہ رسالہ جرنیل گری گوری کی سپاہ کا ایک حصہ تھا۔ اور لارنس کی خوش قسمتی تھی جو وہ رسالہ کے اسپی توپ خانہ کے کمانڈنگ افسر تک پہنچ سکا۔

جوں جوں وہ انگریزی فوج کے قریب ہوتا جاتا انگریزی زبان میں زور زور سے چیختا جاتا۔ یہ بہت ضروری تھا۔ اس لئے کہ وہ اور اس کے ساتھی اس ہیئت کذائی کی حالت میں تھے کہ انگریز سپاہی ناواقفیت کے

سبب دشمن جان کران پر گولیاں سر کر سکتے تھے۔

وہ انگریز عہدہ دار کے سامنے جاکر رک گیا جس نے خفگی اور شبہ کی نظر سے اِس عجیب الہیت انسان کو دیکھا جو اس کے عہدہ کا احترام ملحوظ رکھے بغیر اس سے گفتگو کر رہا تھا۔

کیا آپ ہی افسر مجاز ہیں ؟

اس ناگہانی استفسار میں لفظ "جناب" کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ جس سے عہدہ دار کو فوراً تاؤ آگیا۔ چند لمحوں تک اس مختصر سی بحث کا انجام متوازن حالت میں رہا۔ لیکن آخر میں لارنس توپ خانہ کے اس عہدہ دار کو یہ یقین دلا سکا کہ لڑائی لڑنے کا یہ طریقہ کار غلط ہے جس کی شد درسی کتابوں تک سے نہیں مِلسکتی پھر بھی توپ خانہ کی یقیناً ضرورت ہے۔

لارنس کی نظر کے سامنے ہی توپ خانہ روانہ ہوگیا۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد باڑ پر باڑ ماری جانے لگی۔ توپ خانہ پر اقتدار پانا لارنس کے نزدیک کوئی جیت نہ تھی۔ اب وہ اس منزل پر تھا جہاں پہنچ کر وہ جنگ سے اکتا سا گیا تھا۔ وہ ان تمام سفاکیوں سے بھی اکتا گیا تھا۔ جنھیں وہ اب تک دیکھ چکا تھا۔ وہ بیزار ہو گیا تھا اِس لئے کہ اس کو وہ بیکار اور ہولناک تباہی کے سوا کچھ نہیں سمجھتا تھا۔

اپنے لوگوں کے مختصر سے گروہ کو پھر حرکت میں لانے کے لئے وہ پلٹ پڑا۔ اس نے اپنے ہمعصر عہدہ داروں سے کوئی گفتگو نہیں کی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ ڈیرہ کی جانب بڑھے جا رہے تھے۔ پہاڑوں کے جرگے اب " باڑ پر بیٹھنا " چھوڑ چکے تھے۔ عرب ترکوں کو بھگاتے جاتے تھے اور ہر وہ شخص جو کسی حال میں بھی لڑ سکتا تھا اپنے قابل نفرت دشمن کی

تباہی میں ہاتھ بٹا رہا تھا۔

کہیں کہیں انگریز سواروں کا رسالہ بھی مصروف عمل نظر آتا۔ عرب
ان فوجوں سے جا ملے۔ اور Derra قتل و خون کا آخری اَ
بن گیا۔ بہت دور سے اسپیی توپ خانہ کے لوگوں نے دشمن کے مرکزی ح
پر موت کی بارش شروع کر دی دن کے بقیہ حصہ میں ترک اپنے اٹل انجام
بچنے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔

اندھیرا ہوتے ہی وہ تباہی سے بچ کر بھاگنے لگے۔ لارنس ایک پہا
تھا اور نوری ابن سلمان اور ناصر ــــ دو خون کے پیاسے ہیب
عرب شیخ ــــ دوسری جانب ان دونوں کے سرگرم چیلے بدنظمی میں گ
ظالموں (ترکوں) سے اپنا بدلہ لیتے جا رہے تھے۔

کہیں کہیں علیحدہ طور پر ترکوں کے چھوٹے چھوٹے جتھوں اور چ
چلاتے قبیلہ والوں کے درمیان لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ ترک پہاڑیوں
گھاٹیوں سے ہوتے ہوئے Mania کی طرف بھاگ
لیکن وہاں ان کے لئے ایک دوسرا پھندا تیار تھا۔

لارنس نے اپنے جال بہت عمدگی سے بچھا رکھے تھے گزشتہ ہفتہ
کے اس کے وہ پھیرے، جب کہ اس نے شمالی قبیلوں سے التجائیں ک
تھیں کہ اس کا حکم ملتے ہی اٹھ کر دشمن پر ٹوٹ پڑیں، اب بار آور ہو گ
تھے۔ ترک جس طرف بھی بھاگیں موت اور بربادی سے انھیں م
نہ تھا۔

۲۸ ستمبر کو انھیں ڈیرہ سے نکال دیا گیا۔

عربوں کو یاد تھا کہ وہ ترک جنھوں نے تافاس کو مٹا دیا ہے ڈیرہ

پناہ گزیں ہیں۔ یہ ایک مرکزی بستی تھی۔ اسی مقام سے بہت ساری سفاکیاں بروئے کار لائی جاتی رہی تھیں۔ یہیں پر مہینوں پہلے بعض عرب لیڈروں کو سخت جسمانی سزائیں دی گئی تھیں۔ اور پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا۔

لیکن اب ترک ان کے رحم و کرم کے محتاج تھے۔ یہ جنگ، جنگ کے بجائے چوہے کے شکار سے زیادہ مشابہ تھی۔ اگرچہ لارنس اور اس کے عجلت میں منتخب کئے ہوئے لوگوں کو احکام کی خلاف ورزی میں سفاکیوں کے مرتکب ہونے والے ہر عرب پر گولی چلانے والا بھی قائل نہ تھا، پھر بھی عربوں پر قابو پانا لارنس کے بس سے باہر ہو گیا تھا۔

دو تین گھنٹوں تک سرکش قبیلہ والوں نے بستی پر اپنی من مانی لوٹ کھسوٹ جاری رکھی۔

لارنس چند جانبازوں کے ساتھ اس قتل عام کی روک تھام میں سعی کرتا رہا۔ وہ جب کسی گلی میں اپنے ہی آدمیوں کو نشانہ بناتے تو مردوں اور عورتوں کی چیخیں دوسری گلی سے سنائی دیتیں۔

ان شور مچاتے عربوں کے نزدیک ڈیرہ کی بستی ۵ سو سال کی بے رحمی اور لوٹ کھسوٹ کی یادگار تھی۔ اس لئے وہ اس کی تباہی کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ اور زندہ لوگوں اور بے جان گھروں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دینا چاہتے تھے۔

آخر کار لارنس نے نظم و ضبط قائم کر لیا۔ عربوں کے نزدیک قتل کرنا اور لوٹنا دونوں مساوی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن اس کی سزا بھی موت تھی۔ ان عربوں کو قتل کرنے والے خود ان کے شیخ ہوتے۔

لارنس دو یا تین برطانوی عہدہ داروں کے ساتھ جو اس کے اردگرد جمع ہو گئے تھے۔ جرنیل برو کی آمد کا منتظر تھا۔

جب جرنیل برو آ پہنچے تو تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے وہ بات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لی جس کی خبر انھیں ان کے پیش رو محافظ دستوں نے دی تھی یعنی یہ کہ عربوں کی کثرت کے سبب بستی مخدوش حالت میں تھی۔

اس موقع پر لارنس اور جرنیل برو میں بڑی تند و تیز گفتگو ہوئی جرنیل نے جو کچھ دیکھا اس سے انھیں بڑی گھن آئی۔ اور بڑا صدمہ ہوا۔ خونی عربوں کی زیادتیوں پر انھوں نے لارنس کو درشت لہجہ میں جھڑکا اور ملامت کی۔

لارنس نے روکھے پن سے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

بستی میں بیشتر عرب جو مرے پڑے ہیں وہ میرے ہی ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں۔ پہاڑی باشندے یہاں سب سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ یہ قتل عام میرے ہی روکنے پر رک سکا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں میں ایک دوسرے کی نسبت زیادہ مخلصانہ رجحان پیدا ہو گیا۔ اور اسی وقت جرنیل برو اور ان کے اسٹاف نے مل جل کر کچھ دیر کے لئے اس سے بات چیت کی۔ اگرچہ اب بھی انگریز عہدہ داروں کی اس چھوٹی سی عجیب جماعت اور زبردست لارنس پر — جس کا نام اب فلسطینی سپاہ میں ضرب المثل ہو چکا تھا —— انھیں اچنبھا اور کسی قدر حیرت ضرور تھی۔

شریف کی فوجیں انگریزی اور ہندوستانی سپاہیوں کے نزدیک

ایک نئی چیز تھیں۔ باقاعدہ دستے متحد اور منظم ہو کر جب منظر عام پر آتے تو واقعی ایک فوج معلوم ہوتے اور لڑائی کی طرف ذہن منتقل کرتے، لیکن انھیں کے ایک جانب عرب اور شریفی فوجی ایک بھیڑ معلوم ہوتے۔

۱۶، ۱۷ دن تک اپنی وضع قطع، اور صفائی پر بغیر کسی قسم کا دھیان دیئے وہ برابر سواری کرتے، سوتے اور لڑتے رہے تھے۔ ان میں سے بہت سارے تو خون اور پسینے میں سر سے پیر تک شرابور ہو چکے تھے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی میلی اور بالوں میں سنی ہوئی دھجیوں سے ہوتی تھی جو ان کے زخموں کا ایک جزو بن چکی تھی۔ اور مدتل ہوتی ہوئی جلد پر سختی اور مضبوطی سے چمٹ گئیں تھیں۔ ہر شائستہ چیز سے وہ عاری تھے۔ اور سر سے پاؤں تک گرد و غبار سے اٹے ہوئے تھے۔ گویا ناتراشیدہ انسانیت کے میلے کچیلے بنڈل تھے۔ یہ ایسا وحشیانہ مجمع تھا جہاں تک کہ خیال پہنچ سکتا تھا۔ گزشتہ تین ہفتوں تک وہ محض وحشیانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور اب بھی وحشی ہی نظر آتے تھے۔ عربوں کے باقاعدہ فوجی دستے شمال میں دمشق کی طرف بڑھ چکے تھے۔ لارنس بھی ڈیرہ کی حفاظت شریف کی فوج کے ایک دستہ کے سپرد کر کے، بعض اور لوگوں کے ساتھ دمشق کی طرف بڑھا۔

ستمبر کی ۲۹ ہر تھی۔ انگریزی سپاہ تیزی سے دمشق کی طرف بڑھی چلی جاتی تھی اس لئے لارنس کو بھی عجلت تھی۔

اس کے اب چند ہی نصب العین ایسے باقی تھے جن کی تکمیل ہونا تھی۔ لیکن ایک چیز جو وہ چاہتا تھا یہ تھی کہ وہ عرب جو عربستان کو ترکوں کے جوے سے آزاد کرنے کے بطور خاص ذمہ دار تھے، سب سے پہلے دمشق میں داخل ہوں۔

عربی جھنڈا سب سے پہلے ٹاؤن ہال پر لہراتا نظر آئے۔ بے قاعدہ عرب افواج اور انگریزی اور آسٹریلیائی فوجوں میں دمشق پہنچنے کے لئے مسابقت ہونے لگی۔ جو بظاہر بے مقصد معلوم ہوتی تھی۔ لیکن لارنس کے عزم کے پیچھے بہت کچھ پوشیدہ تھا۔ اگر عرب دمشق کو پہلے پہنچ جاتے تو یہ انکی مہم کی آخری فتح ہوتی۔ جس سے تاریخ میں ایک نئے دور کی مہر ثبت ہوجاتی۔ یعنی یہ کہ عربستان کو عربوں ہی نے آزاد کرایا۔

۱۵

جب وہ دمشق کے قریب پہنچے تو افق پر آگ اور دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ دھماکے مسلسل ہو رہے تھے۔ بھاگتے بھاگتے ترکوں نے اپنے چھوٹے بڑے گولہ بارود کے گوداموں میں آگ لگا دی تھی۔ جب دھم دھماکوں کے ساتھ آگ پھیلتی نظر آتی تو شمال کی طرف پہاڑیوں میں کڑاکوں کا سلسلہ بندھ جاتا۔

شہر کے قریب اس شور وغل میں اور اضافہ ہوگیا تھا۔ گرد و نواح کے رہنے والے بعض قصباتیوں اور دیہاتیوں کے غول کے غول لارنس اور اس کے ساتھیوں کے گرداگرد آکر جمع ہوگئے۔ اور غلامی سے نجات دلانے پر اپنی شکرگزاریوں اور دعاؤں کی بوچھاڑ کر دی۔

جنگ کے آثار پھر بڑھنے لگے۔ پہلے جہاں کہیں کہیں ایک آدھ لاش پڑی نظر آتی تھی وہاں اب کشتوں کے انبار نظر آنے لگے۔ ادھر اُدھر پھرنے

پھراتے رہنے اور تعجب میں وقت گزاری کا موقع نہ تھا۔ دمشق کا شہر، جس کو عربوں اور لارنس دونوں نے اپنی منزل مقصود قرار دیا تھا۔ سامنے واقع تھا۔

۳۰ ستمبر صبح کے سات بجے لارنس اپنی منزل مقصود کو جا پہنچا۔ وہ اور اس کے ساتھی جب سوار ہو کر شہر سے گزرے تو ان کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ شامی، عیسائی، عرب سبھی چیخ رہے تھے اور نعرے لگا رہے تھے۔ گھروں کی چھتوں سے پھول نچھاور کئے جانے لگے۔ عورتیں، سواروں کے اس چھوٹے سے دستے پر جو گلیوں میں گھوڑے کداتا پھر رہا تھا، کھڑکیوں سے عطر اور غازہ پھینکنے لگیں۔ عرب اللہ کا شکر ادا کرتے تو دوسرے گاڈ (خدا) کا۔ اور وہ جو، خدا نہ رکھتے تھے، صرف خوشی سے نعرے لگاتے۔

ناصر اور نوری یہ دونوں شریف پہلے ہی شہر میں داخل ہو چکے تھے اور جب لارنس سوار ہو کر ٹاؤن ہال پہنچا تو آسٹریلی روشنی گھر کے بعض لوگ ٹہلتے نظر آئے۔ اس نے ہال کے اوپر جو نگاہ دوڑائی تو کوئی چیز اسے ایسی نظر آئی جس نے اس میں ایک عجیب جذبہ کو بیدار کر دیا۔ وہ ششدر رہ گیا۔ یہ حیرانی اس لئے تھی کہ اس جذبہ کو دوبارہ محسوس کرنے کی اسے توقع نہ تھی۔

عربوں کا جھنڈا ٹاؤن ہال پر لہرا رہا تھا۔ اور جب وہ اندر گیا تو معلوم ہوا کہ حالات دراصل وہ نہیں ہیں جو بظاہر نظر آتے ہیں۔

عبدالقادر اور اس کا بھائی یہ دو عرب تھے جنھوں نے ہمیشہ ترکوں کی حمایت کی تھی۔ اور اپنی جاسوسی اور دروغ بافی سے لارنس کے کام میں روڑے اٹکاتے آئے تھے۔ اب انھیں یہ جراءت ہوئی کہ دمشق پر قابض ہو جائیں اور "اقوام عرب کے نام پر" اپنی گورنری کا اعلان کر دیں۔

لارنس بغیر کسی تامل کے ان کے دفتر میں گھس پڑا۔ اور ہال کے باہر

لاکر ان دو ۔۔۔ ۔ وں اور ان کی حمایت کرنے والوں کو باندھکر صحیح معنی میں گٹھر بنائے اور خود اپنے مختصر سے باڈی گارڈ کے کھلے ہوئے رائفلوں اور ریوالوروں کے سائے میں انھیں فوراً وہاں سے ہٹا لے گیا۔

باہر جو مجمع کھڑا تھا اس کا رجحان بھی کسی قدر غیر یقینی اور مشتبہ تھا۔ عبدالقادر پہلے ہی سے اس بات کی تشہیر کر چکا تھا کہ عربوں نے دمشق کو فتح کر لیا ہے اور خود اس کی ہزیمت قطعی اور یقینی ہے۔ یہ ایک خطرناک وقت تھا۔ لیکن لارنس نے بھی کوئی غلطی نہیں کی۔ چند دھماکوں نے چوک کو بالکل صاف کر دیا تھا۔ لارنس نے ہاچ کس اور وکرز بندوق بازو وہاں متعین کر دیے اور ایک صحیح لیکن عارضی شریفیہ حکومت کی بنیو شہر میں ڈال دی۔

۲۳ مہینے پہلے جنوبی عربستان کے ۔۔۔ دراز فاصلہ پر اس نے فیصل سے کہا تھا۔

" دمشق تو بہت فاصلہ پر ہے "

یہ دور دراز فاصلہ بہت ہی پرخطر تھا۔ ۔ ۔ ۰ میل لمبے محاذ جنگ پر مورچوں کے سلسلہ کو یکے بعد دیگرے تباہ کر دیا گیا یا بیکار کر دیا گیا تھا۔ عربوں کے قبیلوں کو آپس میں متحد رکھا گیا تھا۔ عرب ایک قوم بن چکے تھے ترکوں کی قوت توڑ دی گئی تھی۔

تقریباً ناقابل برداشت مزاحمتوں کو سر کرتا۔ غیر تربیت یافتہ، ناتراشیدہ خونی غنڈوں کو تربیت یافتہ سپاہیوں سے لڑاتا۔ برطانوی فوجی ارباب اقتدار کے طنز و تشنیع کا ہدف بنتا، لارنس اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا جس کا کہ اس نے وعدہ کیا تھا۔

اس پر جو کچھ بھی بپتا پڑ چکی ہو، وہ ملک عرب کو ایک قوم تو بنا چکا تھا۔

اپنی واقعی فوج کے ساتھ جو ایک ہزار سے بھی کم لوگوں پر مشتمل تھی۔ اس نے تاریخ عسکریت کی ایک انتہائی عجیب اور نادر مبہم انجام کو پہنچائی۔

ان لوگوں نے ۵ ہزار ترک قتل کئے۔ ۸ ہزار کو قید کیا۔ تقریباً ۱۴ مشین گنیں اور ۲۵ سے ۳۰ تک توپیں ہتیائیں۔ اور ۳ اطیارے ہتیائے۔

عربوں کی باقاعدہ افواج کے مجروح و مقتول کل ملا کر کم و بیش ۲۰۰ تھے۔ ترکوں کی قوت پوری طرح اور قطعاً ٹوٹ چکی تھی۔ اور یہ لارنس کا منصوبہ ہی تھا جو ان کی تباہی کا موجب بنا۔

دمشق کے ابتدائی جشن جب ختم ہو چکے تو لارنس نظم و ضبط قائم کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ عبدالقادر کی کارستانیوں نے بہت سے باشندوں کو ڈانواں ڈول کر دیا تھا۔ اور اب پھر وہ اپنی قدیمی نسلی رقابتوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ مختلف قبیلوں کے عربوں نے جب دیکھا کہ تسخیر دمشق کا کام تکمیل کو پہنچ چکا ہے تو انھیں یاد آنے لگا کہ ان کے اپنے بعض نسلی مناقشے ابھی شرمندۂ تکمیل ہیں۔ دمشق کی کئی گلیوں میں لڑائی پھر شروع ہو گئی۔ عیسائی عربوں سے لڑ رہے تھے، عرب ان چند ترکوں سے لڑ رہے تھے جو باقی بچ رہے تھے۔ اور وہ شامی باشندے جن کی ہمدردیاں فرانس کے ساتھ تھیں ان سب کے خلاف تھے۔ کم و بیش ۲۴ گھنٹوں تک دمشق کی بستی لڑنے والے جتھوں کا ایک زبردست اکھاڑا بنی رہی۔ جس کے سبب پھر ایک دفعہ لارنس کو اپنا ارادہ ان پر عائد کرنا پڑا۔ بندوق بازوں کے چھوٹے سے گروہ کی مدد سے اس نے اپنے "قانون" کو دمشق کا قانون بنا ڈالا۔

لیکن خود دمشق کی بستی ایک وحشت ناک حالت میں تھی۔ گلیوں میں کشتوں کے انبار لگے تھے۔ دواخانے مردوں اور مرنے والوں سے بھر گئے تھے۔

تمام دن گاڑیاں پتھر بچھے ہوئے راستوں پر گھڑگھڑاتی ہوئی گزرا کرتیں جن میں لاشیں بستی سے باہر کھلے میدان میں لیجائی جاتیں۔

اس کے بعد لارنس دواخانوں کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ نہایت ردّی حالت میں تھے۔ تمام کمرے بھرے ہوئے تھے۔ لوگ بستروں پر، ورزمین پر مرے اور مرتے پڑے تھے۔

ڈاکٹر صرف دو یا تین باقی رہ گئے تھے۔ باقی سب مریضوں کو اپنی قسمت پر چھوڑ کر ترکوں کے ساتھ بھاگ گئے تھے۔ جو کچھ غذا تھی وہ ابتری ہوئی تھی۔ پانی بخس اور ناپاک تھا۔ حالات کو اس حد تک بہتر بنانا ناممکن نظر آتا تھا کہ زخمیوں کو کم از کم زندگی کے لئے جدوجہد کرنیکا موقع مل سکے۔

یہ ایک عجیب وغریب منظر تھا۔ لارنس کو اتفاق سے صاف ستھرا لباس میسر آگیا تھا۔ لیکن جب وہ دواخانہ کے کمروں میں آیا گیا تو اسے معلوم ہوا کہ مرض ومصیبت کی اس ہولناکی میں اس کے بالکل سفید لباس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ رضاکاروں کی ایک جماعت کے ساتھ اس نے مردے ہٹانے شروع کئے۔ گاڑیوں میں بھر کر انھیں ان وسیع اور گہرے خندقوں تک لے جایا گیا جو بستی کے شمال میں دامن کوہ میں اتنی تیزی سے کھودے جارہے تھے۔ کہ جوں ہی ایک بھر کر پاٹ دیا جاتا دوسرا کھد کر تیار ہو جاتا۔

بعد ازاں برتنوں اور بیلچوں کی باری آئی۔ جھاڑ کر گندگی یکجا کی گئی۔ جس کے ڈھیر لگ گئے۔ ان کو فوراً ہٹا کر جلا دیا جاتا یا متعدی جراثیم اس حد تک دور کئے جاتے کہ ان سے کوئی خطرہ باقی نہ رہتا۔

ابتری رفتہ رفتہ نظم ونسق میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے بعد ان لوگوں کو بچانے کا کام نہایت تیزی سے شروع ہو گیا جن میں کچھ رمق حیات

باقی تھی۔

۳۰ اکتوبر کو جرنیل الن بائے آن پہنچے۔ یکم اکتوبر کو حکومت برطانیہ کی طرف سے انھیں یہ اختیار مل چکا تھا۔ عربوں کے اپنا جھنڈا نصب کرنے کے عمل کو تسلیم کر لیا جائے۔ عربی سپاہ سے وہ یہی کہنے کے لئے دوڑے چلے آرہے تھے۔ جرنیل الن بائے کے نزدیک یہ چیز عربوں کی عزت بخشی کے مترادف تھی۔ لیکن دن ڈھلنے پر جب فیصل آ داخل ہوا اور جس کی آمد کم و بیش سرکاری داخلہ کا حکم رکھتی تھی، تو لارنس اور جرنیل کو یہ سمجھنے میں کچھ دشواری سی پیش آئی کہ آخر اتحادی عربوں کو جانشینی کی اجازت دینے کے باب میں اتنے مہربان کیوں ہیں۔

لارنس، فیصل اور عرب دو سال سے صرف ایک مقصد کی خاطر لڑ رہے تھے۔ یعنی عربستان کو ترکوں سے صاف کرنے اور دمشق کو فتح کرنے کے لئے۔ لیکن جرنیل الن بائے کی توثیق سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ فتح کے بعد ان سے گویا یہ کہا جا رہا ہو کہ تم نے خوب کام کیا۔ جس کا تمھیں کچھ انعام ملنا چاہیئے۔

بہر حال یہ مجلس جلد ہی ختم ہو گئی۔ اور اس عجیب و غریب سرکاری پیام سے دلوں میں جو شبہات پیدا ہو گئے تھے انھیں بھلانے کی خاطر لارنس اور فیصل نے شہر کا ایک دورہ کیا۔

سب سے پہلے سلطان صلاح الدین کی مزار پر حاضری دی گئی جو محاربات صلیبی کا ایک زبردست جنگجو گزرا ہے۔ ۱۹۰۸ء میں جب قیصر جرمنی دمشق پہنچا تو بڑے تزک و احتشام اور تکلف و اہتمام کے ساتھ صلاح الدین کے مقبرہ پر جھنڈا نصب کیا اور کاسنی رنگ کا ایک ہار

مزار پر چڑھایا۔ جس پر کندہ تھا۔

"ایک زبردست شہنشاہ کی طرف سے دوسرے
زبردست شہنشاہ کے لئے"

جھنڈا اور ہار ہٹا لیا گیا۔ عہد حاضر کا شہنشاہ دنیا کے کوڑے
کرکٹ کے انبار کو روندتا ہوا گزر رہا تھا۔

۱۶

۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو ترکوں نے اتحادیوں کے پیش کئے ہوئے شرائط صلح قبول کر لئے۔ اور اس کے عین بعد ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو التوائے جنگ کا اعلان ہو گیا۔ جس وقت اعلان ہوا ہے لارنس اپنی فتح مندیوں کے مقاموں سے ہٹ چکا تھا اور انگلستان میں مقیم تھا۔ صلح کی گفت و شنید میں شرکت کے لئے وہ پیرس روانہ ہوا۔ جہاں وہ زمانہ جنگ کے کئے ہوئے وعدوں کی ایفا کے لئے وہ لڑائی لڑتا رہا جس میں اس کو ہار یقینی نظر آتی تھی۔

گزشتہ دو سال میں لارنس نے عربستان اور اتحادیوں کے فوجی صدر مقام سے جو لڑائیاں لڑی تھیں، یہ جان کر لڑیں تھیں کہ جن وعدوں کے ذریعہ عربوں کی مدد حاصل کی گئی ہے ان میں سے چند ہی پورے کئے جائیں گے۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی جب کہ حکومت برطانیہ نے بادشاہ حسین سے

بعض وعدے کئے تھے، اتحادی اس کا تصفیہ کر چکے تھے کہ اگر جنگ میں انھیں فتح نصیب ہو تو سلطنت ترکیہ Turkish Empire کی بابتہ کیا عمل ہوگا۔

حسین اور اس کے عرب اس طفلانہ سادہ لوحی کی بنا پر لڑتے رہے کہ اگر اتحادیوں کی جنگ میں فتح ہو جائے تو سارا عربستان شمال سے جنوب تک ایک سلطنت (امپائر) بن جائے گا۔ لیکن عین اس وقت جب کہ عربوں سے سلطنت کا وعدہ کیا جا رہا تھا، اٹلی، فرانس، یونان، حتیٰ کہ روس تک کا اس نقشہ پر اتفاق ہو چکا تھا جس میں سلطنت ترکیہ کے بہترین حصے ان ملکوں میں بانٹ دیئے گئے تھے۔ اور عربوں کو خود ان کے ملک کی مقاومت کے صلہ میں عربستان ہی کا ایک تنگ قطعہ دیدیا گیا تھا۔

اس تمام دوران میں جب کہ لارنس منتشر عربوں کو متحد رکھنے کی چالیں چلتا رہا اور منصوبہ کرتا رہا تھا، اور انھیں ایسی طاقتور قوت بنا رہا تھا جس نے ترکوں کا شیرازہ بکھیر دیا وہ یہ بھی جانتا آیا تھا کہ سیاست والوں نے اس کے لئے ایفائے عہد کو ناممکن بنا دیا ہے۔ اور نہ حکومت برطانیہ ہی بادشاہ حسین سے کئے ہوئے ابتدائی وعدوں کی تکمیل کی جراءت کر سکتی ہے۔

۱۹۱۹ء کی صلح کانفرنس لارنس کی مایوسی اور شکستہ دلی کی آخری جلوہ گاہ تھی۔ جو جو شبہے تھے ظاہر ہو کر رہے۔ اور فیصل کو یہ سننا پڑا کہ چونکہ برطانیہ اپنے بزرگ تر اتحادیوں سے وعدہ کر چکا ہے، نیز اس لئے بھی کہ عربستان کے متعلق برطانوی ارباب اقتدار کی کوئی پالیسی نہیں ہے لہذا عربوں کو بجائے حقیقت کے محض پرچھائیوں پر قناعت کرنی ہوگی۔ انہیں

اپنے ابتدائی خواب ہی پر نہ کہ اس تکمیل پر مطمئن رہنا ہوگا۔

صلح کی گفت و شنید میں لارنس کی شخصیت کو مرکزی اور روحانی حیثیت حاصل رہی۔ اس نے اس بات کی کوشش کی کہ فیصل کو "مال غنیمت" کا ایک معتد بہ حصہ ملے۔

کسی خاص اہم معاہداتی اعلان پر' فیصل کی رفاقت میں اس نے جو بحث کی تھی اس کی سرگزشت اس نے کہیں بیان کی ہے۔ اس کا بیشتر حصہ خود اسی کی اپج کا نتیجہ تھا۔

ہمیشہ کی طرح' لارنس کی ہر تجویز کو فیصل محض سن لینے پر قناعت کرتا اور ہر پیش کئے ہوئے طریق کار سے اتفاق کرتا چلتا۔

کانفرنس میں فیصل نے شاہانہ تزک و احتشام اور پر تجمل انداز میں کھڑے ہو کر تیزی سے لیکن گونجتی ہوئی آواز میں جوشیلی تقریر کی جس کو لارنس اور دوسرے دو تین عربی کے ماہروں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ وہ قرآن کی سورتیں تلاوت کر رہا تھا۔

اس کے بعد لارنس نے پرسکون اور ہموار لہجہ میں فیصل کے 'خطاب' کو دنیا کے سیاست دانوں کے سامنے ایک پرجوش التجا کا جامہ پہنا کر پیش کیا۔ جس میں شریفوں کے ان تمام کارناموں کا احاطہ کیا گیا تھا جو وہ زبردست اور عظیم الشان اتحادیوں کی امداد میں انجام دے چکے تھے نیز یہ کہ اپنی ایمانداری اور خوش اسلوبی سے خدمت انجام دینے کے صلہ میں وہ کس انعام کی توقع رکھتے تھے۔ لیکن یہ سب زبانی جمع خرچ تھا۔ اور جب فیصل قیام سلطنت عرب میں ناکامی کی خبر اپنے ہم وطنوں کو سنانے کے لئے لوٹا تو وہ یقیناً یہ تاثر بھی اپنے ساتھ لیتا گیا کہ عربوں کی اس ہزیمت

کا باعث خود لارنس ہے۔ اس لئے کہ اس نے بہت بڑھ چڑھ کر وعدے کئے جن کا پورا کرنا اس کے اختیار سے باہر تھا۔ لہٰذا وہ سب کچھ کھو بیٹھا۔

لارنس کی مصیبت یہ بھی کہ ایک ڈپلومیٹ کی حیثیت سے وہ اپنی عزت کے بارے میں بہت زیادہ حساس واقع ہوا تھا۔ بحیثیت مجموعی اتحادیوں کے مقصد سے اس کی دفاشعاری نے اس کے لئے یہ ممکن بنا دیا تھا کہ بغاوت عرب کو کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچائے۔ شریفی اسلئے لڑے کہ اس لڑائی کا انعام انھیں سلطنت کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔ لارنس اس حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے ہوئے لڑا کہ سلطنت سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ عربوں پر جب حقیقت منکشف ہو جائے تو وہ اس کو جھوٹا اور غدار سمجھیں گے۔

اس جنگ پاس داری Fight for favour کا سب سے زیادہ طاقتور حریف فرانس تھا۔ چنانچہ شام پر اپنا حق تسلیم کرانے کی اسکی مستقل جد و جہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگست ۱۹۲۰ء میں فیصل کو دمشق سے نکل جانا پڑا۔

اپنی فطری مستقل مزاجی سے کام لے کر لارنس نے پھر ایک دفعہ کوشش کی کہ دمشق کی فیصل کی پر آشوب حکومت کا کچھ معاوضہ اس کو مل جائے جو ایک ایسا انعام ہو جس سے عربوں کی نگاہ میں فیصل کی توقیر قائم رہے۔ اور کسی نہ کسی صورت سے خود لارنس کا تخت و تاج دلانے کا وعدہ کسی حد تک پورا ہو کر رہے۔

۱۹۲۱ء میں جب فلسطین اور میسوپٹیمیا پر برطانوی وزارت خارجہ کا اقتدار قائم ہو گیا تو مسٹر ونسٹن چرچل نے لارنس سے پوچھا کہ

کیا وہ اُن ممالک کے نظم ونسق میں ان کی کچھ مدد کر سکتا ہے۔ اور اسی زمانہ میں جب کہ لارنس مشیر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا وہ فیصل کو عراق کا بادشاہ بنانے میں کامیاب ہو سکا۔

اس اثناء میں لارنس آکسفورڈ واپس ہو کر اپنا لکھنا پڑھنا شروع کر چکا تھا۔ وہ بغاوت عرب کا پہلا مسودہ لکھنے میں مصروف تھا۔ اس کا بیشتر وقت آکسفورڈ ہی میں گزرتا۔ لیکن وہ کبھی گفتگو پر آمادہ نہ ہوتا۔ کبھی کبھی اخباروں کے لئے بھی لکھتا۔ لیکن اب بھی وہ جنگ کی آگلی ہوئی ایک پر اسرار شخصیت ہی رہا۔

لارنس اپنے ملک کی قدر دانی سے بھی محروم نہیں رہا۔ "غیر معمولی خدمت" کے صلہ میں اس کے لئے انعام موجود تھا۔ لیکن اسے صلہ وانعام کی ضرورت نہ تھی بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ شدت سے اس کو اس بات کا احساس تھا کہ وہ مقصد جس کے صلہ میں یہ دیے جا رہے ہیں پوری طرح ناکام رہ چکا تھا۔

کسی نہ کسی بہانہ سے اس نے یہ بات گوش گزار کر دی کہ وہ اِن اعزاز کو قبول کرنا مناسب نہیں سمجھتا جن کے لئے وہ نامزد کیا گیا ہے۔ اور جب وہ بادشاہ سلامت کے روبرو پیش ہوا تو اس نے ایک ایسا اقدام کیا جس کے لئے بہت بڑی اخلاقی جرات کی ضرورت تھی۔ غالباً اس سے بھی بڑی اخلاقی جرات کی ضرورت تھی جو اس نے زندگی کے دوسرے مسائل میں برتی تھی۔

دبی زبان سے اس نے بادشاہ سلامت سے کہا کہ اعزاز واکرام کی بخششوں کو قبول کرنے سے انکار کر دینا ہی اس پر لازم تھا۔ وہ نصب العین

جن کے لئے وہ لڑتا رہا پورے نہ ہو سکے۔ وہ وعدے جو اس نے اپنے ملک کی طرف سے کئے تھے توڑ دیئے گئے اس لئے اس چیز کے صلہ میں جس کو وہ ناکافی سمجھتا ہے اعزاز و اکرام کا قبول کرنا اس کے لئے ناممکن ہے۔"

اپنے ملک کی جو خدمات اس نے انجام دی تھیں اس کا آخری عدم اعتراف یہ تھا کہ بغاوت عرب کی سرکاری رپورٹوں سے لارنس کا نام نہایت ہوشیاری سے نظر انداز کر دیا گیا۔

اور ترکی افواج کو شکست دینے اور تباہ کرنے کی نیک نامی اعلیٰ عہدہ داروں کے حصہ میں آئی۔ صلح کانفرنس میں جس حیلہ جوئی سے کام لے کر عربوں کے حقوق سے بے اعتنائی برتی گئی تھی اس نے ایک طرح کی نفرت اس میں پیدا کر دی تھی۔ اور فیصل اس بدگمانی کے ساتھ اپنے ملک کو لوٹا کہ عرب گویا "بیچ دیئے گئے۔"

لوٹ کی تقسیم میں بڑے بڑے اتحادیوں کی "شریفانہ" بحث و تکرار نے اس کی کامیابی کو مکمل ترین ناکامی میں تبدیل کر دیا۔ گویا ایک مشرقی تشبیہ کے مطابق "اس کا منہ کالا ہو چکا تھا"۔ بالفاظ دیگر یہ کہ اس کی ہتک ہوئی تھی۔ اور اس ہتک میں اس کے ساتھ اس کے تمام عرب ساتھی بھی شریک تھے۔

بلاشبہ لارنس بڑی سے بڑی قدر و منزلت کا مستحق تھا جو ملک کی طرف سے پیش کی جا سکتی تھی۔ لیکن خود اس کے اونچے معیار کے لحاظ سے اس نے محسوس کیا کہ بالآخر وہ ناکام ہو چکا ہے۔ اور جب اس نے اپنے تمغے بادشاہ کے ہاتھ میں رکھ دیئے تو ساتھ ہی اپنا دروازہ آخری دفعہ اس تعلیت کے ساتھ بند کر لیا کہ دشمن کو شکست دینے میں اسکے

کارناموں کی بابتہ سرکار برطانیہ کی شکرگزاری کی بھنک تک اس کے کان تک نہ پہنچ سکے۔

پھر ایک امریکی نے ایک حد تک اپنے اس غلط خیال کے ماتحت کہ "لارنس کی عظمت کو دنیا پر آشکار کرے"؟ ۱۹۲۰ء میں کوونٹ گارڈن تھیٹر میں کچھ عرصہ کے لئے عربستانی اور فلسطینی لڑائیوں کا فلم بتاتا رہا۔ جس کو واقعی بڑی ہوشیاری سے ترتیب دیا گیا تھا۔ اور جس میں لارنس کی مہم کو مرکزیت حاصل تھی۔

عقبہ اور اس کے آس پاس ۱۵ روز تک کام کرکے اس نے ایسا غیر معمولی اور رنگین فلم تیار کرلیا جس کی لندن میں دھوم مچ گئی۔

کوونٹ گارڈن تھیٹر ہر رات کھچا کھچ بھری رہتی۔ اور نتیجتہً اخبارات نے "عربستانی لارنس" یا بقول امریکی فلم ساز کے "عربی شہزادہ بے تاج" کی تلاش شروع کردی۔

اگر لارنس کو پبلک زندگی سے نفرت تھی تو اس سے کہیں زیادہ نفرت اسے اپنی تشہیر سے تھی۔ لہذا اس معاملہ کو بلا ضرورت جو اہمیت دی جانے لگی تو اسے بڑی کوفت ہونے لگی۔

آخرکار ۱۹۲۲ء میں شاہی ہوائی فوج میں راس کے نام سے بھرتی ہوکر اس نے اپنی پردہ داری کی کوشش کی۔ اور چند ہفتوں تک وہ واقعی خوش بھی رہا۔ یہاں اس کی حیثیت معمولی سپاہی کی تھی۔ دوران جنگ میں وہ جس بے سلیقگی سے عہدہ دار کی وردی پہنا کرتا تھا، اور جس سے تنگ آکر فوجی ارباب اقتدار نے اس کو نظم وضبط کے اصولوں کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش تک ترک کردی تھی، وہ اب بھی باقی تھی۔

جنوری ۱۹۲۳ء میں ایک عہدہ دار نے، جس نے دوران جنگ میں مشرق میں خدمت انجام دی تھی آکس برج کیمپ Ux-Bridge Camp کا چکر لگاتے وقت لارنس کو تاڑ گیا۔ لارنس میں کوئی بات ایسی تھی جس سے اسے موہوم سی واقفیت معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے متعلقہ دفتر میں اسکی کیفیت دریافت کی۔ دفتری مواد کے مطابق وہ "ہوا باز راس" تھا۔

راس؟ عہدہ دار نے اپنا سر ہلایا۔ یہ نام اس تصویر میں ٹھیک نہیں بیٹھتا تھا جو اس نے اپنے دماغ میں بنائی تھی۔ دو تین دن تک چوری چھپے وہ اس کو دیکھتا رہا۔ اور اس پہیلی کو بوجھنے میں لگا رہا۔ راس کو جب وہ آنکھیں زمین پر جمائے، سر ایک طرف کو جھکائے اور ہاتھ بے پروائی سے ایک طرف کو باندھے کھڑا دیکھتا تو گزرے ہوئے واقعات کی یاد تازہ ہو جاتی۔

یکایک نام عہدہ دار کے ذہن میں آگیا۔ راس دراصل کرنل لارنس اعظم ہی تھا۔ اس میں اس کی غایت کچھ ہی رہی ہو اس نے یہ اطلاع پریس تک پہنچا دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخبار نویس، نامہ نگار اور فوٹو گرافر آکس برج کی چھاونی کے لئے اتنے وبال جان ہو گئے کہ ہوائی فوج کے ارباب اقتدار کو اس صورت حال کے خاتمہ کے لئے لارنس کو خدمت سے علیحدہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

لارنس کے احتجاج کے باوجود اس کی برطرفی عمل میں آکر رہی۔ اور تاک جھانک کرنے والے اخباری لوگوں سے اسے ایک مہینہ تک چھپا رہنا پڑا۔

مارچ میں وہ فوجی اعلیٰ ارباب اقتدار کی مدد کا جویا ہوا اوران سے کہا

اٹر سے ٹینک کور میں اس دفعہ شا کے نام سے بھرتی ہو گیا۔

اس کا بھرتی ہونا ایک معمولی واقعہ تھا۔ ٹینک کور کے لوگ اس کی پذیرائی کے وقت بے خبر ہی رہے کہ یہ وہی کرنل لارنس ہے جس کی اتنی تلاش ہو رہی ہے۔ لارنس یہ وعدہ لے چکا تھا کہ اگر وہ ٹینک کور میں بغیر وقفہ کے دو سال تک کام کرتا رہے تو دوبارہ اسے شاہی ہوائی فوج میں شریک کر لیا جائے گا۔

کچھ عرصہ تک بووِنگ ٹن چھاؤنی کے ٹینک کور میں شا کی زندگی فوج کے ایک گمنام فرد کی طرح گزری۔ لیکن اس کے بعد وہ خود اپنی خصوصیتوں کے سبب سب کا مرکز نظر بننے لگا۔

وہ قواعد پریڈ جو حتیٰ کہ کوارٹر ماسٹر کے لڑکے کو بھی کرنی پڑتی ہے لارنس اس میں بھی غیر حاضر رہتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک مستقل اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا جس کی موجودگی میں اس کو ہر روز شام میں کیمپ سے رہائی مل جاتی تھی۔ وہ دن کا کام ختم کر کے اپنی موٹر سائیکل پر اودل کی سڑک سے ہوتا ہوا ایک نامعلوم منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جاتا۔

"شا" کھانے کے کمرے میں کبھی نہ آتا۔ اور نہ باقاعدہ وقت پر کوئی مقررہ غذا کھاتا۔ شاید اس کا قیاس تھا کہ اس کی مختصر سی غذا چھاؤنی سے ملحق شہریوں کی کسی کینٹین Canteen سے بھی مل سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ پھل خریدتا رہتا۔

ایک دوسرا اہم واقعہ جو کسی چھاؤنی میں بھی افواہوں کا مرکز اس کو بنانے کے لئے کافی تھا یہ تھا کہ وہ کبھی تنخواہ لینے بھی نہ آتا۔

رفتہ رفتہ وہ پھر توجہ کا مرکز بننے لگا. کرخت آواز میں لوگ سرگوشیاں کرنے لگے کہ 'شا' وہی کرنل لارنس ہے۔ لیکن وہ اپنی وردی میں کچھ اس طرح سکڑا سمٹا رہتا کہ وہ لوگ بھی جن کے پاس اس کی اخباری تصویریں تھیں، یقین ہی نہ کر سکتے تھے کہ یہ دونوں وہی اور ایک ہی شخص ہیں۔ سپاہیوں کی محفل طعام سے بڑھکر یہ 'راز' عہدہ داروں کی محفل طعام تک جا پہنچا۔ بالآخر 'شا' کے متعلق شرطیں باندھی جانے لگی۔ اس کا پورا ثبوت نہیں ملتا کہ آیا وہ اس دلچسپی سے قطعاً بے پروا رہا جو اس کے متعلق کیمپ میں پیدا ہو چلی تھی یا کسی مصلحت اندیشی کے سبب اس کو ٹال گیا۔ غالباً اعلیٰ ارباب اقتدار نے ان افواہوں کو سنا اور سن کر یہ کیا کہ موثر اور باضابطہ طریقہ پر اس کو خدمت سے موقوف کر دیا۔

۱۷

لکھنا پڑھنا اور سائیکل رانی اب شا کے معمولات تھے۔ اسکی تعطیل کا مختصر زمانہ مشہور ناول نگار ٹامس ہارڈی کے ساتھ گزرا۔ اور ۱۹۲۳ء کے کرسمس کے دنوں میں اس نے مسٹر برنارڈ شا اور ان کی بیوی کے ساتھ مسٹر ہارڈی کے ہاں کھانا کھایا۔ دونوں "شاؤں" کو اپنی سیرتوں میں ایک دوسرے سے کوئی مناسبت نظر آئی ہوگی۔ ان میں دوستی بہت جلد قائم ہوگئی۔ اور بہت تیزی سے باہمی توقیر و احترام کی حد تک ترقی کر گئی۔ جس کے باعث لارنس کی فوجی طرز زندگی کی یکسانی بڑی حد تک دور ہوتی رہی۔

اگست ۱۹۲۵ء میں اس نے شاہی ہوائی فوج میں اپنی تبدیلی کا انتظام کر لیا جس کے درپے وہ ایک عرصہ سے تھا۔ وہ اب خود کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش ترک کر چکا تھا۔

لارنس کے مرنے سے دنیا کا ایک بہترین انجینئر اٹھ گیا۔ شاہی ہوائی فوج میں جب وہ تھا تو انجنوں سے اسے حقیقی لگاؤ رہا۔ اور جب کبھی اس کا اختراعی دماغ اِن انجنوں پر مصروفِ کار نہ ہوتا تو وہ اپنی موٹر سائیکل یا ان مشینوں کی طرف رجوع ہوتا جس پر اس کو کام کرنا ہوتا۔

انجن کو ہمیشہ الٹتا پلٹتا رہتا تاکہ اِنتہائی تیز رفتار حاصل ہو سکے۔ اسی طرح رفتار کے تیز سے تیز تر ہو جانے سے وقت میں تبدیلی کرتا رہتا۔ تیزئی رفتار میں اس کو ایک ایسی سنسنی محسوس ہوتی جو اس کی روح کے لئے ایک گہرے اطمینان کا باعث ہوتی۔ اس کو انتہائی مسرت جب حاصل ہوتی جب دن کا کام ختم کر کے وہ سنسان سڑکوں اور شاہراؤں پر، موٹر سائیکل پر سوار، اس تیزی رفتار سے روانہ ہوتا کہ موٹر سائیکل کی بڑھتی ہوئی بھنبھناہٹ کا نغمہ صرف اسی کو سنائی دیتا۔ اور جس سے اس کو انتہائی اُنس ہوتا۔ اور یہ نغمہ قوتِ رفتار کا نغمہ ہوتا۔

اس کی فرصت کا سارے کا سارا وقت ڈارسٹ میں گزرتا۔ اور شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہو کہ مسٹر ہارڈی اور ان کی بیوی سے اسکی ملاقات نہ ہوتی ہو۔ ٹامس ہارڈی کو بھی لارنس کی آمد کا انتظار رہتا۔ لیکن ان کی آخری ملاقات کسی قدر المناک تھی۔

ہارڈی کی صحت ٹھیک نہیں رہی تھی۔ دسمبر ۱۹۲۶ء میں لارنس ہندوستان روانہ ہونے سے قبل جب ہارڈی سے ملنے گیا تو انھوں نے بڑے تپاک سے اس کو خدا حافظ کہا۔ اپنے دوست کو موٹر سائیکل پر روانہ ہوتا دیکھنے کے لئے ہارڈی اپنی جھونپڑی کے برآمدے میں نکل آئے۔ مشین بہت

دشواری سے اسٹارٹ ہوتی تھی۔ جب انھیں کھڑے کھڑے چند لمحے گزر گئے، اور اس وقت بھی لارنس پاؤں کے جھٹکوں سے مشین کو چالو کرنے کی کوشش کرتا رہا تو مسٹر ہارڈی شال لینے اندر گئے۔ عین اسی وقت لارنس، جس کو مسٹر ہارڈی کی صحت کا خیال لگا ہوا تھا۔ اس اندیشہ سے کہ مسٹر ہارڈی کے ٹھہرے رہنے سے ان کی صحت کو نقصان پہنچے گا موٹر سائیکل کے اسٹارٹ ہوتے ہی روانہ ہوگیا۔

ہارڈی نے دیر کر دی تھی اس لئے اسے جاتا ہوا نہ دیکھ سکے۔ اور اس خیال سے انھیں تکلیف ہوئی کہ یہ الوداعی ملاقات اتنی دفعتہً ہوئی۔

ڈسمبر میں لارنس ہندوستان روانہ ہوا اور کچھ عرصہ کے لئے کراچی میں متعین رکھا گیا۔ وہ اسی مقام پر تھا کہ ہومر کے ڈرامہ کے ترجمہ کی فرمائش اس سے کی گئی۔ یہ ترجمہ امریکہ میں چھپنے والا تھا۔ اس نے کچھ ایسا محسوس کیا کہ یہ فرمائش اس کے لئے بہت بڑی توقیر ہے۔ اور اس کے مجوزہ ناشر سے یہ کہہ بھی دیا۔ آخرکار وہ اس کام کا ذمہ لینے پر آمادہ بھی ہوگیا۔ لیکن اسکی یہ آمادگی اس شرط کے ساتھ تھی کہ ترجمہ سے اس کا تعلق ظاہر نہ ہونے پائے۔ کیونکہ وہ دوبارہ "پریس کا شکار" بننا نہیں چاہتا تھا۔

کراچی اور بعد میں ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر میران شاہ کے قیام کے زمانے میں اس نے اپنی فرصت کی ہر ساعت ہومر کے ترجمہ پر صرف کر دی۔ جس زبان میں اس نے یہ ترجمہ کیا اس کو وہ 'کھری انگریزی' کہتا تھا۔

رفتہ رفتہ وہ کافی رقم جمع کرتا جاتا تھا تاکہ موٹر سائیکل کی قیمت اور ڈورسٹ کی جھونپڑی کا قرض ادا ہو سکے۔ یہ جھونپڑی اس نے آخری

زمانہ کی خلوت گزینی کے لئے خرید کی تھی۔

سرحد کی فضا میں وہ کسی قدر خوش نظر آتا تھا۔ اس لئے کہ یہ وہ مقام تھا جہاں صدیوں پہلے سکندر اعظم نے اپنی تیز لشکر کشی سے دنیا کو چکرا دیا تھا۔

لیکن اربابِ اقتدار خوش نہ تھے۔ لارنس اپنے نام و نشان کے اخفا میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ ۱۹۲۸ء کے اختتام کے قریب یہ افواہ پھیلتی گئی کہ لارنس شاہی ہوائی فوج میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ انگریزوں کے خفیہ ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ اسی افواہ کو مزید تقویت ان اندھا دھند قصوں اور مضامین سے ہوئی جو مختلف برطانوی اور بیرونی اخباروں میں شائع ہوتے رہتے تھے۔

اس اثنا میں اس نے اپنی وہ کتاب مکمل کر لی جس میں اس نے بغاوت عرب کا حال صاف صاف بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں اس نے اپنے احساسات کے بیان کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ اور خود کے اور خود سے متعلقہ لوگوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کی بھی کوشش نہیں کی ہے۔ مشہور مصوروں نے اس کتاب کو اتنا خوش نما بنایا کہ شاید ہی کوئی کتاب ایسی تیار ہوئی ہو۔ لیکن اس کے صرف دو سو نسخے چھپے جو تقریباً تمام کے تمام انفرادی طور پر تقسیم کے لئے تھے۔ ہر جلد کی قیمت ۳۰ گنی تھی۔ ۱۲ جلدیں ممالک متحدہ امریکہ میں فروخت کے لئے چھپیں۔ اور ہر ایک کی قیمت ۲۰ ہزار ڈالر یعنی ۴ ہزار پونڈ سے کچھ زائد قرار دی گئی۔

اس کتاب کی مخفی اشاعت کے فوراً ہی بعد اس کا ایک مختصر ایڈیشن "ریگستان میں بغاوت" کے نام سے شائع ہوا جس کی اشاعت

خوب ہوئی۔ ۵ ایڈیشن تو بڑی تیزی سے نکلے اور بک گئے۔ اور جب لارنس کو معینہ رقم مل گئی تو کتابوں کی فروخت سے جو مزید رقم حاصل ہوئی اس نے ایک خاص فنڈ کے قیام کے لئے دیدی جس کا مقصد شاہی ہوائی فوج کے لوگوں کے بچوں کو تعلیم دلانا تھا۔ ابتدائی نجی کتاب اور بعد والی کتاب دونوں سے لارنس کا مقصد صرف اپنا قرض ادا کرنا تھا۔

خبریں پھیلنے لگیں کہ افغانستان کی سرحد سے "پراسرار کرنل لارنس" کے اتنا قریب ہونے کے باعث حکومت افغانستان میں سخت تشویش پیدا ہوگئی ہے۔

آخر اتنا زبردست انگریز' انگریزی فوج میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے کیوں کام کر رہا ہے۔ اس کی کوئی ضرورت تو نہ تھی۔ اس لئے ضرور ہے کہ وہ سرحد پر کسی خفیہ سبب سے متعین ہوگا۔ اور یہ خفیہ سبب یقیناً ان کے (افغانوں کے) مفادات کے خلاف ہے۔

متواتر سوالوں سے برطانوی سفیر مقیم کابل اتنا بدحواس ہوگیا کہ اس نے اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے انگلستان کو لکھا کہ یا تو ان خبروں کی تردید کی جائے یا لارنس یا 'شا' (جس نام سے وہ ہوائی فوج میں مشہور تھا) کو سرحد کی خدمت سے ہٹایا جائے۔

لارنس کی مفروضہ خفیہ کارگزاریوں کا قصہ دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گیا۔ اور بالآخر اس کے انگلستان واپس ہونے کے احکام اجراء ہوگئے۔ ایک دفعہ پھر پریس نے لارنس کی سادی سیدھی پر مسرت زندگی کو اس کے لئے مصیبت بنادیا۔ اور کافی تلخ حد تک اس کو سنسنی خیز اخباروں سے

شکایت کا موقع پیدا ہوا۔

جنوری ۱۹۲۹ء میں وہ ہندوستان سے روانہ ہوا۔ اور ایک ہی مہینہ بعد انگلستان میں تھا۔ بدقسمتی سے اس کے متعلق کسی مزید ہلچل کو روکنے میں ارباب اقتدار کی تشویش حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ جب اس کی دخانی کشتی پلے موتھ پر پہنچی ہے تو امیرالبحر کے دفتر سے ایک ڈونگا، محض اپنے فرائض کی بجاآوری کے طور پر کشتی کی جانب بڑھا۔ جس کا مقصد ساحل پر اترنے میں سہولت پیدا کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہوا باز شا ڈونگے کے ذریعہ ساحل پر اُتر آیا۔ لیکن اخبار اس کو لے اڑے اور حاشیہ آرائی سے اس کو ایک دوسرا راز بنا دیا۔

دارالعوام میں سوالات ہونے لگے۔

فوج میں بھرتی ہوتے وقت 'شا' کیا کرنل لارنس کے نام سے موسوم تھا۔

کیا وہ ہمیشہ معمولی خدمات ہی پر مامور رہا۔

ہندوستان میں خدمت انجام دیتے وقت کیا اس نے کوئی رخصت لی تھی۔

پارلیمنٹ کے ایک دوسرے رکن یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ حکومت افغانستان کی شکایتیں کیا کیا ہیں۔

کیا شاہ امان اللہ کی تخت سے دست برداری میں کرنل لارنس کو کسی طرح کا بھی تعلق رہا ہے۔ جس پراسرار طور پر اس کو ساحل پر اتارا گیا اسکے پیش نظر کیا یہ صحیح ہے کہ کرنل لارنس ابھی ہندوستان ہی میں ہے اور کسی دوسرے کو انگلستان لایا گیا ہے۔

جب برطانیہ کے دارالعوام میں یہ سوالات پوچھے جاتے ہوں تو یہ اَمر بالکل فطری تھا کہ لارنس کی ہر جنبش ایک معمہ بنی رہے۔

انگلستان واپس ہونے کے بعد لارنس کو پلے موتھ میں ٹھہرایا گیا۔ مگر اب وہ ایک معروف آدمی ہوگیا تھا۔ نامہ نگاروں کو جھوٹ یا سچ جو ذراسی بات بھی اس کے متعلق ملتی لے اڑتے۔

سال کے بقیہ حصہ میں Schmender-Cup Ras کی تفصیلات میں الجھا رہا۔

مئی میں یہ افواہیں پھیلنے لگیں کہ ہر رات وہ اپنی چھاؤنی سے دبے پاؤں نکل کر موٹر سائیکل پر اپنی جھونپڑی واقع ڈورسٹ کو چل دیا کرتا ہے۔

آسودگی لارنس کے نصیب میں نہ تھی Odyssey کے ترجمہ کو راز میں رکھنے کی خواہش پاش پاش ہوچکی تھی۔ اس لئے اس کام سے متنفر ہوکر وہ اس کو چھوڑ چکا تھا۔ مختلف اوقات میں اخبارات نئے نئے "ہتوے" اڑایا کرتے۔ اور یہ اطلاعیں لارنس کو اتنی ناگوار گزرتیں کہ اسے اپنے ایک دوست سے کہنا پڑا۔ " انگلستان گپ بازوں کی ایک چھوٹی سی ایذادہ دوکان ہے۔"

مشرق قریب اور مشرق بعید میں اس پر یقین ہی نہیں کیا جاتا تھا کہ 'ہواباز شا' دراصل کرنل لارنس ہی ہے۔ اور وہ درحقیقت انگلستان میں ہے۔

چین کو یہ یقین تھا کہ لارنس کسی خفیہ تحقیقات کے ضمن میں ہانگ کانگ میں مقیم ہے۔ حتیٰ کہ حکومت کے اس صریحی بیان کی کہ " وہ انگلستان میں ہے۔ اور اسی کا نام 'شا' ہے اور وہ مونٹ بیٹن میں مقیم ہے۔"

یہ تاویل کی گئی کہ "برطانوی خفیہ خدمت کے محکمہ کی سرگرمیوں کی پردہ پوشی کے لئے یہ اچھی گھڑت ہے؟"

شاہی ہوائی فوج کے صدر مقام پر مصروفیت کے سبب Odyssey کا ترجمہ ۱۹۳۰ء کے آخری دنوں تک ملتوی رہا۔ لیکن جب موسم کی خرابی کے باعث کام بند ہو گیا تو پھر ترجمہ کا کام ترقی کرتا گیا۔

چین کی افواہیں پھر اخباروں میں نمایاں ہونے لگیں۔ اور اس دفعہ لارنس کا تعلق اس گفتگو سے ظاہر کیا گیا جو چین اور انگلستان کے درمیان معاہدوں سے متعلق تھی۔

ان اخباروں کے بیان کے مطابق وہ بیک وقت تین مقاموں پر تھا۔

لیکن اصل حقیقت یہ تھی کہ فروری ۱۹۲۹ء کے بعد اس نے انگلستان سے باہر قدم بھی نہ رکھا۔ اور اس حقیقت پر بعض قابل اعتماد اخباروں نے بھی زور دیا۔

مشرق بعید میں تو یہ تسلیم کر لیا گیا کہ لارنس چین میں ہے۔ اور اس کے بعد روس نے دعویٰ کیا کہ ہو نہ ہو لارنس ترکستان میں ہے۔ جہاں وہ مرکزی سوویٹ حکومت اور سلطنت جمہوریہ ترکستان کے درمیان فساد برپا کرنا چاہتا ہے۔ اور تا وقتیکہ حکومت روس ایک محافظ دستہ اس علاقہ میں تعینات نہ کر دے لارنس وہاں کے باشندوں کے ذریعہ سارے ترکستان میں بغاوت کی آگ لگا دے گا۔ سوویٹ حکومت یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ اس صورت حال کے متعلق حکومت برطانیہ کیا کارروائی کر رہی ہے۔

روسیوں کے اس خیال کو ہنگامہ خیز اس لئے بھی کہا جا سکتا ہے کہ انھیں ہالینڈ سے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ لارنس اس سال کے آغاز پر ہوائی جہاز کے حادثہ میں مر چکا ہے۔

لیکن اس سے حسب معمول انکار ہی کیا جاتا رہا۔ اور یہ "حادثہ" نومبر ۱۹۳۰ء تک حالات کے پس منظر میں چھپ گیا۔

حکومت روس کئی عہدہ داروں کے خلاف مقدمہ چلا رہی تھی ان ملزموں کے بیانوں سے وہ قدیم شبہات پھر تازہ ہوگئے کہ ۱۹۲۷ء میں لارنس دراصل ہوائی فوج میں کام کر رہا تھا پایا گیا۔

ملزموں نے اپنے بیانوں اور جرحی سوالوں کے جواب میں قسمیں کھا کھا کر بیان کیا کہ ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۸ء میں لندن میں خفیہ مجلس منعقد ہوئیں جن کا خاص محرک کرنل لارنس ہی تھا۔ ان کمیٹیوں کا مقصد روس کی سوویٹ حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنا تھا۔ لارنس برطانوی اور فرانیسی افواج اور روس کی سرحدی ریاستوں کی مدد سے اس بغاوت کو روبعمل لانے والا تھا۔"

مقدمہ کی سماعت ۱۲ دن میں جا کر ختم ہوئی۔ اس دوران میں جو سوالات بھی پوچھے گئے ان کے جواب میں ملزمین حلفیہ بیان کرتے کہ ۲۷ء اور ۲۸ء میں انھوں نے لارنس کو لندن میں دیکھا ہے۔ اور فرانس کو بھی اس کا علم ہے کہ لارنس اس سازش میں شریک ہے۔

ایک دفعہ پھر پارلیمنٹ میں سوالات کا تانتا بندھ گیا۔ حکومت روس کے اس سنگین الزام کی تردید کی گئی کہ برطانیہ روس کے معاملات میں دخل دینا چاہتا ہے۔ ہوائیہ کے وزیر کو دارالعوام میں

تفصیلی طور پر بیان دینا پڑا کہ لارنس ۷ر دسمبر ۱۹۲۶ء کو ہندوستان روانہ ہوا۔ ۲۰ر جنوری ۱۹۲۷ء کو وہاں پہنچا۔ جہاں وہ ۱۲ر جنوری ۱۹۲۹ء تک رہا۔ اور واپسی کے لئے جب وہاں سے جہاز پر سوار ہوا تو ۲ر فروری ۱۹۲۹ء کو انگلستان آپہنچا۔ ہندوستان کی ملازمت کے زمانہ میں اسکو کوئی رخصت نہیں دی گئی تھی۔

یہ بیان ۱۰ر جنوری ۱۹۳۱ء کو دیا گیا۔ اور برطانوی پبلک عادت کے مطابق حیرت زدہ ہوکر یہ سمجھنے لگی کہ انگلستان میں اس پراسرار انسان کے متعلق جو بھی کہا جائے ممالک غیر بالخصوص مشرق قریب اور مشرق بعید کے ممالک میں اس پر کبھی یقین نہیں کیا جائے گا کہ جنگ عظیم کے بعد سے لارنس کو کسی قسم کی سازباز یا سازش سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ جن سے دنیا کا امن خلل انداز ہوتا رہا ہے۔

اور یہ کورس Chorus. ایسا تھا جس میں جرمنی تک شریک ہوگیا۔ ادھر دارالعوام میں یہ سوالات پوچھے جا رہے تھے۔ ادھر لارنس کا تبادلہ شاہی ہوائی فوج کے کشتیوں کے شعبہ میں ہوگیا۔ یہاں تیز رفتار کشتیوں کا خاص کام اس کے تفویض تھا جو ساوتھ ہمپٹن میں تیار ہو رہی تھیں۔

چند ماہ سے وہ ایک نئی وضع کی تیز رفتار کشتی کا خاکہ تیار کر رہا تھا وہ اِس نظریہ کی آزمائش بھی کر چکا تھا جو دوسری کشتیوں کو دیکھکر غیر واضح طور پر اس کے دماغ میں قائم ہو چکا تھا۔

اس وقت کشتیوں میں غیر معمولی طاقت کے انجن لگائے جاتے۔ لیکن اسپر بھی ان انجنوں کی مناسبت سے ان کی رفتار میں سرعت پیدا نہیں ہوتی

اس نے ایک بہت بڑی تبدیلی ایسی کی کہ تیز رفتار کشتیوں کی وضع بالکل منقلب ہوگئی اس نے ایک ایسی کشتی کا خاکہ بنایا تھا جو اسی کی نگرانی میں تیار کرائی گئی جس کا پچھلا حصہ نیچے کی سطح تک پہنچنے کے بجائے وہیں پر ختم ہو جاتا تھا۔

یہ کشتی جب تیز رفتار سے چلتی تو اس کا تین چوتھائی حصہ پانی سے باہر رہتا۔ یہ پانی کو چیرتے ہوئے گزرنے کے بجائے سطح آب کو محض چھوتے ہوئے گزرتی۔

جہازوں کے انجینئر اس تبدیلی سے ایسے متاثر ہوئے کہ اس وضع کی کشتی کی خبروں کی طرف بیرونی حکومتوں کی توجہ تک مائل ہوگئی۔ اور اب اس وقت نئی وضع کی تیز رو کشتی بیشتر نئے بحری بیڑوں کے ساتھ شامل رہتی ہے۔ اور سیر و شکار کے ماہروں میں بھی اس کو کافی مقبولیت حاصل ہے۔

لارنس ہمیشہ انجنوں کی جانچ پڑتال میں مشغول رہتا۔ اور اس کے بعد کشتیوں کو ساحل کے کنارے کنارے بطور آزمائش لے کر نکلتا۔ سطح آب پر ان کشتیوں کی تیزی رفتار سے ماہرین اکثر حیرت میں آجاتے۔ نیز سمندر کی خاموش اور طوفانی ہر دو حالتوں میں لارنس سے کشتی رانی کا ایسا کمال ظاہر ہوتا کہ ماہروں کو تک مبہوت کر دیتا۔

آخر کار مصیبتیں ختم ہوئیں اور Odyssey کا ترجمہ بھی ختم ہوگیا۔ لیکن مشرق نے لارنس کو ابھی فراموش نہیں کیا تھا Menemen واقع ایشیائے کوچک میں ۱۹۳۱ء میں سخت مذہبی بلوے ہوئے اور جب کسی نے اس کے اصل سبب کی تلاش کی تو اس کی تہ میں اسے لارنس کی کارفرمائی نظر آئی۔ اور اس نے ساری دنیا میں اس انکشاف کا اعلان بھی کر دیا۔ چندا

تک اخبار اس کو دنیا کے ہر ہر کونہ میں پہنچاتے رہے اور بالخصوص اس مقام پر جہاں کوئی فساد برپا ہو۔

جولائی ۱۹۳۲ء میں تو جرمن لاسلکی اسٹیشن نے برطانیہ پر یہ الزام لگا کر کرنل لارنس کی مدد سے " تبت سے ایک خفیہ معاہدہ کیا جا رہا ہے "، ہر شخص کو چونکا دیا۔ اس دوران میں شاہی ہوائی فوج میں کارگزار رہا۔ اور اس خیال کی پرواکئے بغیر کہ دنیا اس کو کس قسم کا انسان سمجھتی ہے اپنا کام کرتا گیا۔

پھر تھوڑی دیر کے لئے اخباروں نے اس کو چین لینے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اخباروں نے اس پراسرار انگریز کے متعلق اتنے جھوٹے قصے مشہور کر دیئے تھے کہ ایک معمولی شخص بھی حیرت کرنے لگتا تھا کہ کیا کوئی اتنا زبردست انسان ہو بھی سکتا ہے جتنا کہ لوگ اس کو سمجھتے ہیں۔ جب ایک دفعہ یہ شبہ پیدا ہو گیا تو پھیلتا گیا۔ لارنس خوش تھا کہ ایک سورما کی بلندیوں سے گر کر ایک معمولی ' ہیرو' کا درجہ پانے کے بعد تو کم از کم جبر اور شہرت کی اذیتیں کم ہو جائیں گی جو وہ گزشتہ چند سالوں سے جھیلتا رہا تھا۔

مارچ ۱۹۳۳ء میں اس نے درخواست کی کہ شاہی ہوائی فوج کی خدمت سے اُسے سبکدوش کر دیا جائے۔ لیکن ارباب اقتدار نے اس درخواست کو زیر غور رکھا۔ اس کی ملازمت کی مدت ابھی ختم نہیں ہوتی تھی۔ اور یہ بات کہ کوئی شخص خانگی اسباب کی بناء پر فوج سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے۔ کوئی زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ فوج کے آئین میں جذبات کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

موٹر سائیکل کی سواری کا تفریحی شغل اس نے جاری رکھا۔ وہ صرف Brough ساخت کی گاڑیاں خریدتا تھا۔ اور جب خرید چکتا تو ہر ایک کو

Boauerges کے نام سے موسوم کرتا۔ یوں بھی یہ موٹر سائیکلیں بن کر نکلنے کے بعد اپنی رفتار کے لئے خاصی مشہور رہوتی ہیں لیکن وہ ان میں مختلف تبدیلیاں کرتا اور اتنے جدید کل پرزے ان میں لگاتا جس حد تک کہ خود مشین اُن کی متحمل ہوسکتی۔

عربستان کے کارناموں کی یاد مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی نیا شگوفہ ایسا کھلتا جس سے تھوڑی دیر کے لئے یاد از سرِ نو تازہ ہو جاتی۔ کچھ عرصہ تک اس کی بھی کوششیں کی گئیں کہ کوئی جماعت ایسی بنائی جائے جو عربستان کی بغاوت کا فلم تیار کرے لیکن لارنس کو اس سے کوئی سروکار نہ رہا۔

ایک سال بلکہ اس سے کچھ زائد عرصہ تک اس کی زندگی ایسی گزری جو ۱۹۱۸ء کے بعد سے اس کے لئے انتہائی پرسکون تھی۔ اس کی اپنی ذاتی موٹر سائیکلیں تھیں۔ فرصت کا سارا وقت وہ اپنی جھونپڑی واقع ڈورسٹ میں گزارتا۔ منتخب حلقہ احباب سے اس کا ربط بھی برابر قائم رہا۔ اب وہ ایک دوسری کتاب لکھنے میں مصروف تھا۔ جس کا موضوع زندگی اور بالخصوص فوجی زندگی کا مرقع پیش کرنا تھا۔

عوام اس کو بھولتے جا رہے تھے۔ اور وہ اپنی زندگی بغیر کسی مداخلت کے بسر کر رہا تھا۔ اب وہ اپنی اس بالکلیہ آزاد زندگی کا خاکہ بنانے لگا۔ جب کہ فوجی خدمت سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ اپنی ڈورسٹ کی جھونپڑی میں پناہ گزیں ہونے والا تھا۔

کلاوڈز ہل۔ مورٹن۔ یہ مقام اس کی خلوت گزینی کی جنت تھا۔ مارچ ۱۹۳۵ء میں آخرکار شاہی ہوائی فوج سے علیحدہ ہوکر اس پرسکون گوشۂ تنہائی میں وہ پناہ گزیں ہوگیا۔

۱۸

مئی کی ۱۳ ہر تاریخ پیر کا دن تھا۔ دوپہر سے کچھ پہلے ہی لارنس اپنی موٹر سائیکل پر بووٹنگ ٹن کیمپ واقع ڈورسٹ کو گیا ہوا تھا۔ اس مقام پر ۱۹۲۳ء میں اس کی ٹینک کو. Tank Corps. کی ملازمت کا زمانہ گزرا تھا۔

سڑک کے راستہ پر کیمپ سے ۵۰ یا ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے وہ واپس ہو رہا تھا کہ یکایک دو لڑکوں سے مٹ بھیڑ ہوگئی۔ جو لارنس کی سمت میں سائیکلوں پر چلے آ رہے تھے۔ خود لڑکوں کا بیان ہے کہ وہ پہلو بہ پہلو چلے آتے تھے کہ کسی نامعلوم وجہ سے انھوں نے آگے پیچھے ہو جانا چاہا۔ یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ خود لارنس کو نظر نہ آیا یا لڑکوں نے ہٹنے میں تاخیر کر دی سڑک پر ایسے نشان البتہ موجود تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ ٹکر سے بچنے کے لئے اس نے بڑے زور سے گاڑی کو روکا ہوگا۔ لیکن اس نے اس میں بہت تاخیر کر دی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ہنڈل پر سے ہوتا ہوا منھ کے بل زمین پر آ رہا۔

اس کو ۔ وول سے فوجی دواخانہ پر فوراً پہنچا دیا گیا۔ اور اخفاء حال کی پوری کوشش کے باوجود حادثہ کی خبریں ظاہر ہو ہی گئیں۔ اور چند ہی گھنٹوں میں ساری دنیا جان گئی کہ دنیا کی ایک عجیب وغریب شخصیت کو بہت ہی اندیشہ ناک حادثہ سے دوچار ہونا پڑا ہے اور جو پُرخطر حالت میں دواخانہ میں پڑی ہوئی ہے جوں جوں وقت گزرتا گیا ہر شخص اس کے متعلق اپنے شبہات اور طنز وتضحیک کو بھول گیا۔ اب جب کہ لارنس کی زندگی خطرہ میں تھی اس کی بڑائی پر زور دیا جانے لگا۔ بڑے بڑے ڈاکٹر اور ماہرین مشورہ کے لئے طلب کئے گئے۔ دوسرے ماہر بھی اس کو زندہ رکھنے کے ہر ممکن وسیلہ کو بروئے کار لانے کے لئے دواخانہ پر بھاگے آئے۔

منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ——— سب دن بے ہوشی کی حالت میں گزر گئے اور لارنس نے کسی قسم کی حرکت تک نہ کی۔ ڈاکٹروں نے اس پر اتفاق کیا کہ کوئی معمولی آدمی ان ہولناک ضربات کی تاب نہ لاکر اسی وقت دم توڑ دیتا۔ لیکن لارنس کی ساخت ایسی تھی کہ حالت بے ہوشی میں بھی اس کا جسم زندہ رہنے کی شاندار جدوجہد کر رہا تھا۔

موجودہ سائینس سے جتنی بھی مدد مل سکتی تھی سب کی سب وول کے اس بیمار کے بستر کے پاس لاکر جمع کر دی گئی۔ لیکن آخرکار مضطرب تیمارداروں نے سر ہلا ہی دیا۔

دل میں یہ سمجھکر کہ لارنس بچ بھی جائے تو اس کے دماغ اور اس کی زبان پر ان ضربات کا مستقل اثر باقی رہیگا، اور یہ جان کر کہ لارنس چاق وچوبند زندگی کا کتنا دلدادہ تھا، تیماردار یہ آس لگائے رہے کہ آسانی سے اسے زندگی سے رہائی نصیب ہو جائے۔

ہفتہ کے دن اور رات کے طویل گھنٹوں میں زندگی اور موت کی کشمکش برابر جاری رہی۔ لیکن آدھی رات کے وقت، یہ معلوم ہوا کہ اس کی شجاعانہ زندگی صرف کچھ دیر کی مہمان ہے۔

اس کے کارناموں پر سکوت اور اخفاءِ حال کا جو پردہ پڑا ہوا تھا اب اس سے بھی زیادہ وزنی لبادہ بن گیا جس میں وہ اِس طرح لپٹ گیا کہ اس کا سمجھنا فہم و ادراک سے باہر ہو گیا۔

یہ جان کر کہ موت کا وقت قریب ہے ساری اخباری دنیا دم سادھے کھڑی تھی اور ہر ایک بے چین تھا کہ اس بطلِ عظیم کی رحلت کی خبر سب سے پہلے دنیا اسی سے سنے۔

۱۹ مئی۔ اتوار کے دن ۸ بجنے کے بعد لارنس کے جانباز قلب کی خفیف سی حرکت بھی رک گئی۔ کوئی افواہ بھی موت کو چھپا نہیں سکتی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ لارنس کی موت تک پراسرار تھی۔

بعد میں جو تحقیقات ہوئی اس میں دفعدار نے، جس نے لارنس کو سڑک پر آتے دیکھا تھا، پر زور طریقہ سے بتایا کہ لڑکوں کی ٹکر سے بچنے سے عین قبل، ایک سیاہ موٹر اس کے بازو سے مخالف سمت میں گزر گئی۔

لڑکے اس کو دیکھ نہ سکے۔ اور نہ کسی اور نے دیکھا۔ لیکن دفعدار کو اس میں کوئی شبہ نہ تھا۔

دریائے فروم کے کنارے ایک معمولی سی قبر میں لارنس اور اس کے اسرار اب آسودۂ خاک ہیں۔

اس نے اپنی زندگی کو کوئی چیستان بنانا نہ چاہا۔ بلکہ بیشتر انگریزوں کی طرح اچھی لڑائی لڑتا رہا۔ اور جب وہ ختم ہو گئی تو اس کے متعلق سب کچھ بھول گیا۔
شہنشاہ جارج پنجم زندگی میں اس کو اعزاز و اکرام سے سرفراز کرنے میں

کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ اب اس کے بھائی کے نام اپنے پیام میں خراج تحسین ادا کیا۔
پیام میں لکھا تھا " تمہارے بھائی کا نام تاریخ کے صفحات میں زندہ رہیگا۔ بادشاہ کو شکر گزاری کے ساتھ ان خدمات کا اعتراف ہے جو اس نے اپنے ملک کے لئے انجام دی تھیں ۔ اور اس کی توقعات سے لبریز زندگی کے اس حسرت ناک انجام پر افسوس ہے ۔"

دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ کے اس خراج تحسین میں ایک حسرت بھی شامل ہے جس کی صدائے بازگشت ہر دل سے آرہی ہے ۔ یہ رہ رہ کر اٹھنے والا غم اس لئے ہے کہ اس چھوٹے سے مگر بڑے دل والے انگریز کو، اس حسرت ناک انجام کے سبب وہ دنیاوی سکون نہ مل سکا جس کی وہ مشتاقانہ طریقہ پر تلاش کرتا رہا تھا۔ آزادی کے لئے وہ شدت اور سختی سے لڑتا رہا۔ ہماری اس پر شور اور مشینی دنیا میں اس کا آنا ایسا آناً فاناً تھا کہ وہ ہماری نظروں کے سامنے چمکا اور قبل اس کے کہ ہم پوری طرح سمجھ سکیں کہ کتنی پر توقع زندگی ہم سے چھینی جا رہی ہے وہ ہم سے رخصت ہو گیا ۔